ادبستان

ملک کے مشہور انشا پرداز اور ادیب

ابوالمعالی حضرت مولانا خلیقی دہلوی مدظلہ

کے

حسین و دلکش ادبی مقالات و تخیلات کا مجموعہ

مع ترتیب و مقدمہ

حضرت اختر شیرانی اڈیٹر رسالہ "خیالستان" لاہور

اشاعت

کتب خانہ ناشر العلوم لاہور

مسلم پرنٹنگ پریس لاہور میں طبع ہوئی

تعداد ۱۰۰۰

مجلد عہ

عرضِ مرتّب

"ادبستان" کا اشتہار سنہ ۱۹۲۶ء سے "بہارستان" میں شائع ہونا شروع ہوا تھا ـــــ ارباب ذوق کے انتظار سے بے حد نادم ہوں کہ سنہ ۲۶ء کا وعدہ ۳۰ء میں وفا ہوتا ہے۔ حقیقتاً مجبوری کے سوا کوئی معذرت پیش نہیں کی جا سکتی ـــــ!

"ادبستان" کے بعض مضامین کے ساتھ تصاویر نظر آئیں گی، ان کے بلاک "ہمایوں" کی عنایت کا نتیجہ ہیں، جس کے لئے میاں بشیر احمد صاحب بی اے (آکسن) بار ایٹ لا ایڈیٹر "ہمایوں" کا شکریہ عرض ہے۔

اس کتاب کی پہلی اشاعت، میری اجازت سے مسٹر عبد المجید نے اپنے کتب خانہ "ناشر العلوم" کی معرفت شائع کی ہے۔ میں ان کی غیر معمولی سرگرمیوں کا ممنون ہوں۔

لاہور ۔ ۱۱ ۔ فروری سنہ ۱۹۳۰ء

اختر شیرانی

مرتب و مقدمہ نگار



اختر شیرانی

مقدمہ

"ادب، اک آسمانی دوشیزہ ہی جو زمین پر تمام انسانی برائیوں کو مٹانے اور منتر پھونکنے کے لئے اتر آئی ہے ——!"

برنارڈی سن پیرے نے جب، ادب کے باب میں یہ شاعرانہ رائے قلمبند کی ہوگی تو اس میں شک نہیں کہ اُس کا دل و دماغ، معنویاتِ ادب کے غیر معمولی اثرات سے لبریز ہوگا —— اس قدر، کہ "سرمستیٔ سخن" کے عالم میں بے اختیار، زبانِ قلم سے چھلک پڑنے والی اس ترنگ کو بعض اصحاب، کسی پرانے مشرقی شاعر کے شعر لیے کچھ کم مبالغہ آمیز نہ سمجھیں گے! مگر ساتھ ہی یہ حقیقت بھی، بجائے خود ناقابلِ فراموش ہی کہ دنیا میں جس طرح حسن و عشق، مصوری و نقاشی، موسیقی و شاعری اور دوسرے فنونِ لطیفہ کے "تاثرات کا تجزیہ"، اُن کی تعریفات کے بارے میں گوناگوں نظریات، اور اُن کی تسلیم و قبول پر اربابِ فکر و نظر کا مشترکہ طور پر اتفاق رائے نہیں ہوا ہی، اسی طرح، ان میں سے ایک، اور یہ کہنا چاہیئے کہ ان تمام پر چھا جانے والی چیز، ادب بھی ہے —— اس لحاظ سے ادب کے اثرات کی مختلف النوع، اور مختلف المقدار، حیثیات پر، محض اُن کے اختلافی حدود کی تعیین کرنے میں، اپنی حیرتِ دماغی کا صرف کرنا مناسب نہیں، بلکہ قوائے آخذہ کے مراتب کا فرق ملحوظ رکھتے ہوئے، محض اپنی انفعالیت و اثر پزیری کی قوتوں کو بروئے کار لانا ضروری ہے ع آنکھ کو چاہیئے ہر رنگ میں وا ہو جانا! آفتاب کی رنگین شعاع، بذاتہ، ایک ہی رنگ سے لبریز ہوتی

ہے، مگر مختلف قسم کے شیشوں کے پردوں میں مختلف عکس اور رنگ چھڑکتی ہے!
..... چاند کی مستانہ روشنی ایک ہی قسم کی کرنیں برساتی ہے، مگر وسیع میدانی زمینوں
پر، اس کا پھیلاؤ، کچھ اور لطف بخشتا ہے! اور باغوں میں گھنیرے درختوں کے
بیچ میں سے چھنتے ہوئے اُسکے نورانی نقش ونگار کچھ اور بہار دیتے ہیں۔——!

اسی طرح ادب، ایک ہی حسین حقیقت کا نام ہے، (اور حقیقت بہرحال ایک حسن
ہے!) لیکن میگسارانِ مجاز کے ظرف، اس کی کیفیت وکمیت کے ذمہ دار ہوتے ہیں،
—— اور چونکہ غالب کا "فتویٔ مستی" ع دیتے ہیں بادہ ظرفِ قدح خوار دیکھ کر!
"رسوائی عام حاصل کر چکا ہے! اس لئے اگر آج! "ادبستان" کی شان دار حیثیت
پر بطور "مقدمہ" وتقریب، مجھے کچھ لکھنے کی، خوش وقتی ومسرت حاصل ہوتی ہے،
تو کیونکر ممکن ہے کہ میں اپنے خیالات کو، حیرت کی الجھنوں میں گھرا ہوا نہ پاؤں گا۔
——؟ بالخصوص اس حالت میں جب کہ ؎

زفرق تا بقدم ہر کجا کہ می نگرم!
کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا اینجاست!

کی، حقیقتِ شعری، قدم قدم پر دعوتِ لغزش دے رہی ہو——!

میرے لئے بہت آسان تھا کہ میں بھی "ادب" کو ایک "بہشت" اور "ادبستان"
کو ایک "حور" کہہ کر، جو افکار انسانی کی تاریک وادیوں کو معطر وروشن کرنے کے لئے دنیا
میں اتر آئی ہے، یا پھر "ادب" کو ایک "آسمان" اور "ادبستان" کو ایک نو طلوع
حسین "ستارہ" قرار دے کر، جو ہماری روحی ومعنوی زندگی میں، ایک طوفان
نکہت ونور بپا کرنے کو، اس خاکدان ہستی میں آگرا ہے، —— "ادبستان"؟

کے حسین اثرات، اور ان اثرات کی جراحت سامانیوں کا، بیک جنبشِ لب اعتراف کرلیتا ـــــ مگر مجھے اندیشہ ہے کہ "اہلِ بزم" کی تشنگی ذوق میرے اس اقرارِ بیخودی کو، کافی نہ سمجھے گی! اس لئے اُن کے مذاق سوز و ساز کا احترام مدنظر رکھتے ہوئے، عرض تفصیل سے انکار کرنا ع

حدیثِ دلکش و افسانہ از افسانہ می خیزد!

کی روحِ معنویت و افسانویت کا خون کرنا ہے! لہذا مجھے "ادبستان" کے شگفتہ و شاداب پھولوں کے تجزیۂ رنگ و بو میں گھر کر، اک فوری لغزشِ مستانہ کا گناہ اپنے سر نہیں لینا چاہیے، بلکہ یہ فرض، کئی لغزشوں کی صورت میں، ٹھہر ٹھہر کر، اور مزے لے لے کر، ادا ہو تو زیادہ خوبصورت ہوگا ع

چلے جیسے کوئی پی کر شراب آہستہ آہستہ!!

ادب ـ ادب کا مفہوم، اپنے معانی کے اعتبار سے، بالخصوص اختلافِ رائے کی روشنی میں، بہت وسیع ہے، مگر یہاں مخصوصیتِ موضوع کی آسانیوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے، عرض بیان کے دائرے کو محدود کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے، ـــــ اس نقطۂ خیال سے ادب کا وہ خاص حصہ مقصودِ نظر ٹھہرتا ہے جس کو، اردو دنیا میں ادبِ لطیف، یا ادبِ جمیل کے عنوان سے یاد کیا جاتا ہے۔

اس سلسلے میں مشاہیرِ عالم کے انتقادی خیالات، اور نقاط نظر کو واضح کرنے کی فرصت ہے نہ ضرورت۔ ـــــ یوں بھی رفتگانِ محفل کو، بذاتِ خود قدم رنجہ فرمانے کی تکلیف دینا اچھا نہیں معلوم ہوتا، اس لئے اس دفتر

پریشان کا سرسری سا مطالعہ جامعیتِ خیال کے جس ایک نقطہ پر پہنچاتا ہے، اُس کا اظہار کافی ہے۔ اور وہ یہ کہ ادب فکر و خیال، اور زبان و بیان کے موزوں اور لطیف اظہار کا نام ہے ـــــــ" باقی تمام تعریفات زرا سی کھینچ تان کے بعد، اسی دائرے کے ماتحت آجائیں گی۔

اجزائے ترکیبی۔ مندرجہ بالا توضیح کی روشنی میں معلوم ہوا کہ ادب کے اجزائے ترکیبی میں دو چیزیں بذاتہٖ بنیادی حیثیت رکھتی ہیں، اول خیال اور دوسرے، زبان ـــــــ اور انہی کی خصوصیات کا تنوع مجتمع ہو کر، ایک ہجوم صور و معنویات بن جاتا ہے، جس کا استقصا، بتمامہٖ ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے۔

مثلاً خیال کے سلسلے میں، "رنگینی، عمق، نزاکت، مطابقتِ حالات، اور موزونیت، وغیرہ کا لحاظ رکھنا ایک ادیب کی فن کارانہ مہارت کے لئے لازمی ہے۔

اِسی طرح زبان کے معاملے میں، "ندرتِ بیان، حسنِ ادا، جدت، روانی، مطابقت محل، قدرتِ اظہار، وغیرہ قابلِ غور خصوصیات ہیں۔

اجزائے ترکیبی کے اِن لوازم کے ساتھ، شاخ در شاخ، اور بہت سی ضروری چیزیں ہیں، جن پر گفتگو کرنا فنِ ادب و انشا کے ایک طالب علم کی بحث آرائیوں کا خوشگوار مشغلہ ہو سکتا ہے، یہاں اُن کی تفصیل پیش کرنا، نہ صرف فرصت کا طلب گار ہے، بلکہ اس لحاظ سے غیر ضروری بھی ہے کہ ادبستان کے تذکرے میں اہم ترین امور کا خود بخود اظہار ہو جائے گا۔

ادب کا مقصد۔ ہر ایک علم وفن کا کچھ نہ کچھ، مقصد یا فائدہ ہوتا ہے، یا کم از کم اُس سے اس قسم کی توقع رکھی جاتی ہے ——— پھر ادبِ لطیف کا مادی مقصد کیا ہے ———؟

ادب کے متعلق مشرقی ومغربی آرا میں بہت کچھ اختلافات ہیں، اور اس چیز نے ہماری فکر آرائیوں کو، کافی دشوار اور پیچیدہ کردیا ہے، تاہم ایک سرسری غور و فکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچنا پڑتا ہے کہ بظاہر ادب کا کوئی خاص مادی یا ٹھوس مقصد وفائدہ معلوم نہیں ہوتا، فنونِ لطیفہ میں اکثر ایسے فن ملیں گے جو، اپنے مادی نفع، اور مقصد سے بیگانہ ہونگے، اور اس لحاظ سے کہا جاسکتا ہے کہ ادب کا وہی مقصد ہے جو شاعری، یا مصوری کا ہے، اور ان کی طرح اس کی پرواز بھی محض ایک قسم کی دماغی سرخوشی اور فکری سرمستی تک محدود ہے۔

شاعری، اور مصوری، کی طرح، ادب بھی ہماری معنویات کو بیدار کرتا، روحیت کو گدگداتا، اور جمالیاتی احساسات کو چھیڑتا ہے، ——— اور اس کے لئے یہی کافی ہے ———!

یہ ذکر اس لئے چھیڑا گیا کہ اکثر علمی دماغ، ادب سے مادی فوائد حاصل کرنے کے شائق نظر آتے ہیں، مگر جیسا کہ کہا جاچکا ہے، اُس کے لئے اِس قسم کے فوائد پیش کرنا لازمی نہیں!

برطانیہ کے سابق وزیر اعظم مسٹر بالفور کی رائے ہے کہ:۔

"عام تشویق کے لئے علم ادب کے لطف پر زور دینا، اس کے نفع

پر زور دینے سے زیادہ مفید ہے، میرا عقیدہ یہ ہے، کہ اس قسم کے تمام
لطف انسان کی اخلاقی اور روحانی ترقی میں ممد ہوتے ہیں، مگر اُن
کی دلچسپی آدھی رہ جاتی ہے اگر ہم ہر وقت اُن فوائد پر نظر رکھیں
جو انجام کار حاصل ہونگے ——"!

آگے چل کر علم کے فوائد پر روشنی ڈالتے ہوئے مسٹر بیلفور اس سے
زیادہ صریح الفاظ میں لکھتے ہیں۔

"ہر وقت علم کے لئے کوئی نہ کوئی انعام ڈھونڈھنے کی عادت
(حالانکہ علم خود اپنا انعام ہے) خواہ وہ انعام مادی صورت اختیار
کرے، یا محض اخلاقی ترقی سے تعبیر کیا جائے، ایک ایسی عادت
ہے جس سے مجھے اتفاق نہیں ——"!

گویا، اگر ادب، کسی خاص محسوس فائدے کا حامل نہ ہو تو یہ اُس کے
لئے باعث تنقیص نہیں جیسا کہ بعض "خشک دماغ متقی" خیال کرتے ہیں،
تاہم ان "بلغ العلائیت" کے علم برداروں کو خاموش کرنے کے لئے اس سلسلے
میں، ادب اپنے فائدے کا بھی کسی قدر ثبوت دے سکتا ہے، اور وہ سجاد حیدر
کی زبان میں (جو خود بھی ایک بلند پایہ ادیب ہیں) یہ ہے:-

"لائٹ لٹریچر (ادب لطیف) کی چاشنی کے ذریعے سے آپ
عمدہ اور اعلیٰ خیالات عوام میں رائج کر سکتے ہیں، ورنہ محض نصیحت
اور خشک فلسفہ قدر دانانِ علم کے سوا (اور ایسے نفوس قدسیہ
کی تعداد دنیا میں بدقسمتی سے زیادہ نہیں) اور کوئی شنوانہ

ہوگا ——————"

اُردو میں ادبِ لطیف کی بنیاد - اردو کے ادبِ لطیف کی بنیاد، مرحوم مولانا نشرر لکھنوی کے شاعرانہ مضامین سے قائم ہوتی ہے، انکے شہرۂ آفاق رسالے "دلگداز" کے پرانے فائلوں کا جن حضرات نے مطالعہ کیا ہے، وہ اس حقیقت کا اعتراف کریں گے، شرر کا رنگ خالص ہندوستانی یا مشرقی تھا، انداز بیان اور طرزِ ادا کی جس قدر جدتیں تھیں، ان پر بھی مشرقیت کا پرتو غالب تھا۔ نثر کے طرزِ قدیم سے روگردانی تھی، مگر ایک مخصوص صلاحیت کے دائرے میں محدود! خیال وبیان کی ندرتیں تھیں، لیکن اک خاص حد تک پابند! اس صداقت سے انکار کرنا کفر ہے کہ مرحوم نے جہاں اردو ادب کو، سب سے پہلے اس لطیف شعبے سے دوچار کیا، وہاں، دوسروں کو اس رنگ میں لکھنے کا ذوق بھی بخشا ہے۔ بلا شبہ یہ افسوسناک امر ہے کہ ابھی ہمارے ہاں شرر کے کارناموں کی وقعت، نامعلوم ہے، جب اردو دان طبقے کی نگاہوں سے یہ پردہ اٹھا دیا جائے گا تو اس کو علم ہوگا کہ شرر کے رنگین نگار قلم نے ادب کے اس شعبے پر بھی کس قدر اثر ڈالا ہے اور بت خانۂ علم وادب کے وہ زرکار بت، جن کی آج جہان اردو میں پرستش ہو رہی ہے، بالواسطہ یا براہِ راست کسی نہ کسی طرح، شرر کے سومناتِ افکار کے پرتو سے اخذِ رنگ و بو کرتے رہے ہیں —— شرر کے ادب کی اولیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایسا ہونا ناگزیر بھی تھا، خواہ آج زبانِ اعتراف، یک قلم، پارۂ سنگ ہی کیوں نہ بن جائے۔ ——!

دورِ جدید کا آغاز۔ اردو ادبِ لطیف کے دورِ جدید کا آغاز، سجاد حیدر سے ہوتا ہے، یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنے ادب کو، بیرونی ادبیات کے اثر سے، دو آتشہ بلکہ سہ آتشہ بنا کر پیش کیا، اور اُردو نے اس شعبۂ خاص میں تنوع کی وہ زنگارنگی اور ہماہمی دیکھی، جو اب تک اسے نصیب نہیں ہوئی تھی، یقیناً سجاد حیدر کے اس احسان کو اردو دنیا کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ انہوں نے ترکی ادبیات کے طرز و انداز کی رنگین طرازیوں کو اس خوبصورتی کے ساتھ اردو سے روشناس کیا کہ ہر ایک زبان بے اختیار چٹخارے لینے لگی، کس قدر حیرت انگیز بات ہے کہ اردو ادبِ لطیف کے دورِ جدید کی بنیاد ایک ایسی دور افتادہ اور اجنبی زبان کے ادبی نقوش و آثار پر رکھی جاتی ہے جس سے ملک کو کوئی دور کا بھی تعلق نہیں درحالیکہ ہر لحاظ سے یہ فخر بنیادی طور پر انگریزی کے حصے میں آنا چاہئے تھا۔

دورِ جدید کے علمبردار۔ سجاد حیدر کے سر اولیت کا سہرا باندھنے کے بعد، اس شعبے کے دوسرے علمبرداروں کا تذکرہ ضروری ہے۔ یوں تو اردو ادب کے سلسلے میں کم و بیش سبھی نے سجاد حیدر کے اثرات میں اپنے نقوشِ ادب کو پرورش کیا ہے، مگر وہ افرادِ خاص، جنہوں نے اُن کی روشنی میں، مگر بالآخر اُن سے علاحدہ ہو کر، اپنی ادبی ترنگوں کو پروان چڑھایا، میرے گذارشات کا موضوع اصلی ہیں۔ ان میں سلطان حیدر جوش۔ نیازؔ فتحپوری اور خلیقی دہلوی اپنی اپنی مخصوص رنگیں طرازیوں کے بدولت، سب سے نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ نیازؔ کے ادبی مضامین کا مجموعہ "نگارستان" کے نام سے شائع ہو چکا

ہے، اور خلیقی کا مجموعۂ ادب "ادلبستان" کے موزوں اور حسین نام سے، اس وقت آپ کے پیشِ نظر ہے ——— !

خلیقی دہلوی - یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا، وہ اک قصیدے کی سی "تشبیب" کا حکم رکھتا ہے۔ اور جو اپنے موضوع اصلی کی طرف رجوع کرنے کے لئے، ضروری تھا۔ بہ ہر حال اب "گریز" کی حقیقت آرائیوں نے زبانِ قلم کو خلیقی کے حریم ادب تک پہنچا دیا ہے۔ جو عرض نگارش کی منزلِ مقصود ہے۔

آج، اس بات کی ضرورت نہیں محسوس ہوتی کہ ناظرین سے حضرت خلیقی کا تعارف کرایا جائے، ادب آشنا نگاہیں، اُن کو اچھی طرح جانتی اور پہچانتی ہیں، ان کے بلند پایہ مضامین، ملک کے بہترین صحائف میں شائع ہو کر قبول خاص و عام حاصل کر چکے ہیں۔ اور اس لئے، ان کے ذوق کی شگفتگی افکار کی رنگینی طرزِ بیان کی ندرت، اور خیالات کی نزاکت، پر میرا کچھ لکھنا، نہ صرف یہ کہ "چھوٹا منہ اور بڑی بات" کی حقیقت کا آئینہ دار ہے، بلکہ ملحاظ ضرورت کے بھی تحصیلِ حاصل سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ "ادلبستان" کے عالی دماغ مصنف کی ممتاز ادبی حیثیت، ایک ایسی روشن صداقت ہے، جو میری سعیِ تقریب و تعارف کی محتاج نہیں ہا تاہم میرا وہ نازِ نیازمندی جو مدتِ دراز سے اُن کی خدمت میں باریاب ہے، ان کے باب میں نہیں، بلکہ اُن کے افکار عالیہ کے سلسلے میں مجھے ع کس بشنود یا نشنود من گفتگوئے مے کنم پر - آمادہ کر رہا ہے

ذاتی طور پر، میرے لئے، یہ اعتراف، بے حد خوشگواریوں کا باعث ہے، کہ اُردو ادب کی دنیا میں، جو "رسوائیاں" میری ہرزہ نگاریوں کو نصیب ہو

چکی ہیں، یہ سب کچھ، قطع نظر اس سے کہ بعض اور مصنفین کے ادبی کارناموں کے مطالعے کو بھی کسی قدر اس میں دخل ہے، حقیقتاً محض اور محض خلیقی کے نگارشاتِ جمیل کے موثرات ہیں ع

ایک ہی بار ہوئی وجہ گرفتاریِ دل!

اور اس لحاظ سے، مجھ سے زیادہ کون، اُن کی معنویاتِ لطیفہ کے قاتل اور ہلاکت ساماں اثرات کا اندازہ کر سکتا ہے؟ بہر کیف ع اینک بہ شہادت طلبم لوح و قلم را کے مصداق ذیل میں اُن کے ادب کی بعض حسین و رنگین خصوصیات کی طرف "بقدرِ ظرف"، چند سرسری اشارات پیش کئے جاتے ہیں۔ ع

دگر از سر گرفتم قصۂ زلفِ پریشاں را!!

قدرتِ زبان و اظہارِ خیال۔ میری طرح ملک کے اکثر و بیشتر اربابِ ذوق کی حقیقت شناس نگاہیں، اعتراف کر چکی ہیں کہ حضرتِ خلیقی کو زبان و خیال اور اُن کے اظہار پر غیر معمولی قدرت حاصل ہے! اس حیرت انگیز کمال کا اندازہ نہ صرف اُن کی تحریروں سے ہوتا ہے، بلکہ جن حضرات کو اُن سے بالمشافہ گفتگو کرنے کا موقع ملا ہے، اُن کو بخوبی علم ہے کہ حضرتِ خلیقی کی دلکش تقریریں بھی، اسی رنگ سے لبریز ہوتی ہیں۔ زیادہ موزوں الفاظ میں یوں کہنا چاہئے کہ ان کی تحریر و تقریر میں مطلقاً فرق نہیں ہوتا، وہ جس طرح بولتے ہیں اسی طرح لکھتے ہیں، اور جس انداز میں لکھتے ہیں، اسی انداز میں گفتگو فرماتے ہیں۔ حضرتِ خلیقی کی تقریر سُن کر، یا تحریر پڑھ کر ایک سامع یا قاری، کو تسلیم کر لینا پڑتا ہے، کہ اس وقت وہ جس ادبی ہستی کے نقوشِ زبان و قلم سے محظوظ ہو رہا ہے اُس کو اردو زبان،

ادب، اور اُن کے اظہار پر حیرت انگیز عبور حاصل ہے حضرت خلیقی کی یہ وہ اولین خصوصیت ہے جس کی مثال، "بایں جامعیّت"، کہیں نظر سے نہیں گزری۔

مرد کے مقابلے میں، عورت، ہمارے ہاں جن وجوہ سے ضعیف اور کمزور قرار دی گئی ہے، ان پر اکثر حضرات نے اظہار خیال کیا ہے، مگر خلیقی صاحب کے حسب ذیل فقرے ملاحظہ فرمایئے، اس موضوع کی اکثر و بیشتر وسعتوں، اور اُن کی افسانہ خیزیوں کو، کس قادر الکلامی کے ساتھ چند الفاظ میں سمیٹ کے رکھ دیا ہے:۔

"عورت ہمارے ذہنوں میں یکسر لوچ، لچک، اور اک جھجک ہے! وہ صرف لجا جانے ڈر جانے، روٹھ جانے اور جلد جلد بگڑ جانے من جانے کے مترادف ہے۔ وہ بتمامہ رنگ ریشم اور راحت کی خواہشوں کا خلاصہ ہے۔ اور صرف خلوت کی زینتیں اس سے وابستہ ہو سکی ہیں"۔

قدرت زبان و اظہار خیال کی کیسی نادر مثال ہے! خط کشیدہ الفاظ پر غور کیجئے۔ جس قدر آپ غور کرتے جائیں گے، لفظ لفظ کی گہرائیوں کے پھیلاؤ بے پردہ ہوتے جائیں گے، اور ہر ایک حرف کے پردے میں، نسوانیت و نسائیت کی ایک دنیائے معنویت خوابیدہ نظر آئے گی۔ قطع نظر اس سے کہ حقیقت نسائیت کا، کس بلاغتِ نگاہ کے ساتھ مشاہدہ کیا گیا ہے، میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس سے زیادہ قدرت زبان و خیال کے ساتھ، کوئی اس موضوع پر کچھ لکھ سکتا ہے ——!

ذیل میں ایک "دوشیزہ بیوہ" (ناظرین متعجب نہ ہوں، ہندو معاشرت کے اس المناک پہلو نے کبھی نہ کبھی اُن کو ضرور متاثر کیا ہوگا) کی وہ حالت بیان کی گئی ہے، جب کہ باوجود عصمت و دوشیزگی اور حسن و جمال کے، محض اس گناہ "بے گناہی" کی پاداش میں کہ شوہر مر گیا ہے، ہندوستان کی بیوقوف سوسائٹی اس پر نفرت بھری نگاہیں صرف کرتی ہے۔

"مظہر! خدارا مجھے سمجھا تو، اس جوان بیوہ، اس مرقدِ شعر کی حیاتِ دوشیزگی کی توہین کیوں روا رکھی جاتی ہے؟"

ایک جوان و حسین بیوہ کو مرقدِ شعر کہنا قدرتِ اظہارِ خیال کا معجزہ ہے؟ واقعتاً ایسی کم سن اور خوبصورت، بیوہ، ایک "مرقدِ شعر" ہی کی حیثیت رکھتی ہے، اور مرقد شعر ہا کے دوسرے معنی "مزار شباب" اور "مدفن جذبات" کے بھی ہو سکتے ہیں ——

اسی سلسلے میں آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں "جب تک عورت کو اقتدار شوہری نصیب ہے، اس کا وقار نسوانی تسلیم کیا جاتا ہے، مگر جب اس کا سہاگ لٹ گیا تو تمام نازک اور حسین ادائیں، اک مذموم بختگی سے بدل جاتی ہیں۔ وہی حیا، وہی شوخ باحجابی جس سے اس جنس قوی کے اک فرد کو معراجِ فتادگی نصیب تھی، اب دنیا کے لئے وہ اک مایوسی ہے کہ مکمل! اک احترازہے کہ منکسر! وہ اپنی آنکھوں کے خوبصورت جھکاؤ میں اپنے تمام فتنہ ہائے حسین دفن کئے رہے تو عافیت ——!"

قارئین نے ان چند مثالوں سے اندازہ کر لیا ہو گا کہ زبان و خیال، دونوں

حضرت خلیقی کے ہاتھ میں دو آلوں کی سی حیثیت رکھتے ہیں، وہ جدھر چاہتے ہیں، پوری قدرت و قوت کے ساتھ موڑ دیتے ہیں، اور اس خوبصورتی کے ساتھ، کہ زرا یہ احساس نہیں ہوتا کہ لکھنے والے کو، کوئی دقت واقع ہوئی ہوگی۔

مطابقت زبان۔ چارلس روڈیر کا قول ہے کہ "حروف کی جمہوریت کا نام ادب ہے"! مگر اس جمہوریت کا نظام ایک مخصوص سلیقے کا طلب گار ہے۔ الفاظ کی بہترین جمہوریت یا ادب کا حسن یہ ہے کہ مطابقت زبان کے خلاف کوئی پہلو نہ پیدا ہوتا ہو۔ یا بالفاظِ دیگر، موقع کے مطابق زبان سے کام لیا جائے۔

حضرت خلیقی دہلی کے ایک قدیم خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، اس لئے اُن کی زبان سے وہ تمام توقعات قائم کی جاسکتی ہیں جن کے لئے یہ اجڑا دیار، زبان کے لحاظ سے ورنہ جدید دار السلطنت ہونے کی حیثیت سے تو اجڑا نہیں کہا جاسکتا! کبھی مشہور تھا۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ موقعہ ہو یا نہ ہو، وہ ہمیشہ اردوئے معلٰی ہی کو زبان کے بعض "سودائیوں" کی طرح اوڑھنا بچھونا بنائے رکھیں گے۔ وہ ایک باکمال ادیب ہیں، اور اُن کی ادبیت، کسی مخصوص زبان کے محدود دائرے کی پابند نہیں، نہ ہوسکتی ہے! وہ نرے دہلوی یا لکھنوی زباں دان نہیں، بلکہ فضا کے مطابق زبان استعمال کرنے کے عادی ہیں، اور یہ اُن کی ادبی ژرف نگاہی کا اہم ثبوت ہے۔

"نیاز بحضور ناز" کے ماتحت فرماتے ہیں:۔

"اے تو وہ کہ جو شستگی زبان اور شگفتگی بیان کی نسبتوں سے بلند اور طلسم ستائش و نیائش سے مستغنی ہے۔ اے تو وہ کہ جو گلا زِ ترنم اور شوخی تکلم سے

بے نیاز اور مسرت ہیچ و تلخی دم سے بے پروا ہے ——!"

مگر جس زبان سے یہ پُرشکوہ الفاظ نکلے ہیں، وہی زبان ایک عورت کے منہ میں آکر سلاست کے کیسے پھول برساتی ہے!

"اس سے کوئی پوچھے کہ تیرے پاس خط آنے کا تار آگیا تھا؟ اور پروا نے خبر دے گئے تھے، بھلے سے کیا انہوں نے اسے پہلے کہلا بھیجا تھا ——!"

اس ایک مثال ہی سے قارئین اُن کے اس ادا شناسی کا بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں۔

طرزِ نگارش خلیقی صاحب کی انشا کا ایک مخصوص رنگ، یا طرز اسٹائل ہے، اُنکے انداز میں ندرت کی شگفتگی اور جدت کی شادابی پائی جاتی ہے۔ اور موضوع کچھ ہی کیوں نہ ہو، اُن کے رنگ کی مخصوصیت بدستور قائم رہتی ہے:——

ایک رقاصہ سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں "اس وقت میں تیرے گانے کو نہیں سنتا بلکہ میرا تمام احساسِ حیات تیرے نغمے کے مرکزِ جاذبیت میں منتقل ہو جاتا ہے، پھر گانا ہے کہ مجھے سنتا ہے اور رقص ہے کہ مجھے دیکھتا ہے۔ ——!"

ایک اور جگہ فرماتے ہیں "وہ کفر ہے جو یہ کہے کہ تیری حضوری ہی شگفتگیٔ خاطر کا سامان نہیں، مگر تیرا ماحول تو خار زار، اور میرا وجود تو خلشوں سے معمور ہے!"

آگے چل کر فرماتے ہیں "ایک رعشہ بر اندامِ ہستی، اک نا تمام تمثالِ حیات ہے جو تیری موسیقی کی تو حریف نہیں —— مگر اُدھر موجود ہے!"

ذیل کے بیانیہ فقرے کا انداز ملاحظہ ہو "ہزاروں میں سے کسی ایک نے کبھی یہ

دیکھا ہوگا، کہ اپنے سایہ سے بھی سہمی، ڈری، اک بھرپور جوانی ہے کہ شرمائی لجائی، بہت ہی صبح، تاروں کی چھاؤں، آبادی میں سے گزرتی ہوئی، شہر سے باہر ایک ندی پر ——— کہ اس طرف جایا کرتی ہے"

بیانیہ انداز میں، تشریح و تصریح کے اجزا، کا اس سادگی سے استعمال، خلیقی صاحب کا مخصوص رنگ ہے، اور تقریباً تمام مضامین میں، ناظرین، اس کو دیکھیں گے

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں "میرے ہاں تو راتوں کا کوئی مفہوم ہی نہیں اگر اس میں کسی کے لئے جاگئے کا اور جاگتے رہنے کا ساماں نہیں!"

خلیقی صاحب کے انداز میں مشرقیت کا پرتو زیادہ غالب ہے، اور اس لئے باوجود ندرت کے ہمارے لئے نامانوس نہیں، اس میں شعر کا کیف ہے، شراب کا سکر ہے، شباب کی مستی ہے، اور پھر اس میں وہ کچھ ہے، جو ان میں بھی مجموعی حیثیت سے موجود نہیں، وہ حسن و ادب کی ایک تصویر ہے، وہ شعر گل بداماں، اور شباب چاک پیرہن کی ایک صنعت ہے، اور کیا یہ کم ہے کہ وہ ایک عورت ہے اور شاعرہ ہے ———!"

آگے چل کر اس آوارہ شباب اور خانماں خراب نوجوان شاعرہ کی افسردہ دلی کا اپنے مخصوص انداز میں یوں نقشہ کھینچتے ہیں "اک چھریرا جسم، اک پژمردہ جوان چہرہ، ایک تھکا ہوا شوخ قیافہ، اک جھکی ہوئی بیباک چتون، اک درماندہ شرارت، اک طلسم دار وگیر ہے کہ جس نے ایک جسم اختیار کر لیا ہے! مجھے محسوس ہوا کہ اس جوانی پر غم کی بجلی گر پڑی ہے! جوہی کی کلیاں اوس نہ پڑنے سے بے رونق سی ہیں، اس دل کو کسی نے دکھا ڈالا ہے! اس کے آنسو محروم دامن و پرسش ہیں ——— مجھے تو کچھ اور فتنہ سامانیوں کا حال سنا کر لایا گیا تھا، مجھے تو کسی اور ہی قسم کی غارت گری نے

کے نمونے دیکھنے کی آرزو لاتی تھی ——— یہ حسن بے باک شر یہ کہاں؟ یہ تو درد و بیچارگی کی تمثال ہے! شعر کہاں؛ یہ تو پپیتا اور دکھ کا اک بول ہے! شراب کہاں یہ تو امگتی ہوتی دوا کا ایک گھونٹ ہے، شباب کیسا یہ تو مٹی ہوئی آرزوؤں کا ڈھیر ہے! —!"

یہاں الفاظ سے بڑھ کر انداز کی مصوری بروئے کار آئی ہے! جب میں ان فقروں کو پڑھتا ہوں تو ایک غمزدہ اور مجروح مجسمہ شعر و شباب میری نگاہوں میں پھر جاتا ہے۔ جو محض خلیقی صاحب کے انداز کی ساحرانہ خلاقی کا آئینہ دار ہی ———

آگے چل کر فرماتے ہیں "وہ تو اک جستجو ہے جو درماندہ! ایک نکہت ہے کہ آوارہ! ایک قوت ہے کہ زائل! ایک امنگ ہے کہ مضمحل! ———!"

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں "شباب ہو شاعر ہوا اور رہو "مرد" خیر گزر جاتی ہے اس لئے کہ سوسائٹی کا نظام عمل، مرد کے لئے قوانین اخلاق و مروت ہیں زرا لچک اور نرمی لئے ہوئے ہے، اسکو موقعہ ہے کہ وہ دن کی روشنی میں، رات کی تاریکی میں، جب چاہے شعر کہے اور شباب برتے!"

ایک آوارہ افکار شاعرہ کی حیات ادبی کے نشیب و فراز بتلاتے ہوئے کہتے ہیں "اس نے ہر ایک منظر پر آنکھ ڈالی ہوگی، خار سے زخمی بھی ہوتی ہوگی، اور پھولوں کو زخمی بھی کیا ہوگا ———!"

خلیقی صاحب کی تحریروں کی یہ حسین طرز ہے، جو فن ادب و انشا کے موضوعہ و مقررہ اصول و قواعد کے ماتحت نہیں آسکتی۔ کیونکہ طرز و انداز فنی اصول آئین کے ممنون نہیں ہوا کرتے، ورنہ آج انداز میں تنوع کا وجود بھی نظر نہ آتا۔ اور دنیا بھر کی تحریریں ایک ہی انداز کی حامل ہوتیں۔

Aumo 2 11/36

باعتبارِ اندازِ نگارش خلیقی کا رنگ اردو کے اکثر ادبا کے رنگ سے کہیں زیادہ پختہ ہے! ناظرین کو یاد رکھنا چاہیے کہ ترکیبوں اور فقروں کا اسلوب اک علاحدہ شے ہے اور مجموعی طور پر نگارش کا انداز ایک اور چیز کا نام ہے۔ اندازِ نگارش کے پردے میں مصنف خود چھپا ہوتا ہے، اور ندرتِ الفاظ و تراکیب صرف، ایک جدّتِ خیال کی علامت ہے جو ہر شخص سے خواہ وہ کیسا ہی بیگانۂ ادب یا "بے ادب" ہو، متوقع ہو سکتی ہے! اردو کے صاحبِ طرز اہلِ قلم کے ہاں اول الذکر شے پائی جاتی ہے یعنی جدت تراکیب اور اس پر بادی النظر میں طرزِ نگارش کا دھوکا ہوتا ہے۔ اس نقطۂ نظر سے جب آپ "ادبستان" کا مطالعہ فرمائیں گے تو، قدم قدم پر خلیقی کے انداز کی انفرادیت، تکمیل اور پختگی، کا ثبوت ملے گا ؏

بارِ ما ایں وار دو آں نیز ہم!!

الفاظ و معانی کی ہم آہنگی ۔ جیسا کہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے، تحریر و نگارش کے دو پہلو ہوا کرتے ہیں جن سے اظہارِ خیالات کے دوران میں دوچار ہونا پڑتا ہے، ایک خارجی یعنی الفاظ یا فقرات، دوسرے داخلی یعنی معانی یا خیالات، ایک پختہ کار ادیب کا فرض یہ ہے کہ وہ ان دونوں پہلوؤں کو، بلحاظ ہم آہنگی اس طرح "دست و گریباں" کر دے کہ اُن کی انفرادیتیں کھو جائیں، اور اُنکے ملے جلے مجموعی اثرات، بیک وقت ناظرین کے دل و دماغ پر چھا جائیں، یہ نہ ہو کہ خیالات بہت نرمی و نزاکت کی طرف مائل ہوں مگر الفاظ، درشتی و کرختگی کے آئینہ دار! یا یہ کہ خیالات و مطالب ہیبت و حشت کے کسی جذبے کے حامل ہوں، مگر الفاظ و فقرات، حلاوت و شیرینی کے رنگ سے لبریز!! خلیقی صاحب کی تحریروں میں کم و بیش ہر جگہ اسکا التزام پایا جاتا ہے، اُن کے ہاں الفاظ و معانی، یا خارجیات و معنویات، باہم دگر اس طرح متحد الاثر ہوتے ہیں، کہ

بیک وقت، تمام فقرات، اثر کا ایک رنگین کیف بن کر دل و دماغ میں منجذب ہو جاتے ہیں

اکثر حضرات اس فنی مہارت کو، فنِ تحریر کے جدید اصول و قواعد کی طبع زاد ندرت خیال کرتے ہیں، مگر میں اسکو قدیم فصاحت کا ایک اہم جزو سمجھتا ہوں جسکی عربی و فارسی انشا پردازی میں اکثر مثالیں مشاہدہ کی جاسکتی ہیں یہ علیحدہ بات ہے کہ وہاں، اس کا کوئی خاص عنوان معین نہ ہو سکا ہو۔

محبت کی اولیں نگاہوں اور خیالوں کے حسین تصادم، کے مؤثرات کو، ذیل میں کس نفاست کے ساتھ پیش کیا گیا ہے کہ آپ کو انفرادی طور پر نہ الفاظ کی طرف توجہ کرنے کی فرصت ملے گی، نہ خیالات کی جانب اگر معنویت اور ظاہریت کا ایک مشترکہ کیف ہوگا جو نگاہوں کی راہ دماغ میں اترتا چلا جائیگا۔

"اجنبی قریب سے نکلا، آنکھیں دوچار ہوگئیں، بھرے کٹوروں سے شراب چھلکی حسن کی ساقی گری نے آگ لگادی، عہد الست ٹوٹا، نظروں نے کوئی راز ایک دوسرے کے سپرد کیا، دل، ایک لمحہ نظارہ بن کر وقفِ حیرت ہوا، بجلی چمکی، اور ایک تیر سن سے نکل گیا، جیولیٹ، جیولیٹ نہ رہی! وہ کملا گئی، پھول زخمی ہوگیا اور اسکی پنکھڑیاں نڈھال —"!

خلیقی کے پیشرو سجاد حیدر کے ہاں بھی، بڑی حد تک اس ہم آہنگی کا اہتمام پایا جاتا ہے، مگر چونکہ انکو تناسب یا موزونیٔ الفاظ یا بالفاظِ دیگر زبان و بیان کے اظہار پر قدرتِ تامہ حاصل نہیں ہے، اس لئے اکثر اوقات، انکے فقرات و تراکیب میں ایک نامانوس اور ناگوار بدنمائی پیدا ہو جاتی ہے، مثلاً "دو آنسو کے قطرے، دو قطرۂ سعادت ڈھلک رہے تھے —"! اس فقرے میں "قطرۂ سعادت" کے ساتھ "ڈھلکنے" کا پیوند کس قدر ناخوش آہنگ ہے، الفاظ کی اصوات اور انکے اثرات کے عمل سے جو لوگ باخبر ہیں، وہ جانتے ہیں کہ لفظ "سعادت" کی صوت کی سلاست و شیرینی کے پیوند نے "ڈھلک" کی آواز کو جو پہلے ہی

ثقیل تھی) اور زیادہ ثقیل کر دیا ہے۔ جس طرح، گہرے اندھیرے کے بعد ہلکی سی روشنی زیادہ وسیع، اور وسیع روشنی کے بعد خفیف سا اندھیرا، زیادہ گہرا معلوم ہوتا ہے، اسی طرح ترکیبی حیثیت میں، بعض الفاظ کے مختلف اثرات ؛ ساختہ کے الفاظ کی مختلف کیفیات، میں کمیت و کیفیت پیدا کر دیتے ہیں۔

ہندی و فارسی الفاظ کا پیوند، ایک مخصوص ذوق اور سلیقہ چاہتا ہے، بالخصوص اس حالت میں جب کہ اس پیوند کاری سے معنی و صوت، اور مطالب و الفاظ کی ہم آہنگی بھی مطلوب ہو، زبانِ قلم کی ذمہ داریاں بہت زیادہ بڑھ جاتی ہیں۔ درحالیکہ اردو کے بڑے سے بڑے (بالخصوص دہلی و لکھنؤ کے مشاہیر) اہلِ قلم کے ہاں "عمق و گہرائی" کا خوبصورت پیوند، عام طور پر "فصاحت افروزی" کرتا نظر آتا ہے۔ پروفیسر آزاد کا سا انشاپرداز "نیتھر موجودہ" لکھ سکتا ہے تو دوسروں سے اس پہلو کی توقع رکھنا بے سود ہے

دوش از مسجد سوئے میخانہ آمد پیرِ ما! چیست یارانِ طریقت بعد ازیں تدبیرِ ما؟

بہرکیف یہ واضح ہے کہ جہاں اکثر ہندی الفاظ، اکثر فارسی الفاظ کے ساتھ، ترتیب و ترکیب پاکر، باعتبار اتحادِ اثر، اور قرابتِ صوت، ایک مکمل حسن حاصل کر لیتے ہیں، اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ ذرا سی بے خبری یا غفلت ایسی ہی حالت میں فقرے کو فصاحت کے اصولی یا وجدانی، و ذوقی معیار سے خارج کر دیتی ہے، اس کی مثال اوپر پیش کی جا چکی ہے، یہاں اس کی موزونیت کے استعمال کی مثال دی جاتی ہے:۔

سجاد حیدر کے اس فقرے میں ہندی و فارسی الفاظ کا کس ندرت و حسن کے ساتھ استعمال ہوا ہے:۔

"اس کی ہیئت کذائی سے بوئے فحش کے بھپکے نکل رہے تھے"!

اثر کی کیسی ساحرانہ ہم آہنگی ہے، مگر زبان پر پوری قدرت حاصل نہ ہونے کی

وجہ سے اسید صاحب کے لئے ہر جگہ اس کو نباہنا مشکل ہے۔

فنونِ لطیفہ۔ فنونِ لطیفہ یا صنعتِ ظریفہ کا ماخذ و منبع، ایک ہی حسن ہے! آپ تناسب و موزونیت کے اثر سے تعبیر کر سکتے ہیں! گو مزید تشریح کے لئے انکی تقسیم کر دی گئی ہے! مثلاً شاعری، مصوری، بت تراشی، موسیقی وغیرہ، مگر نگاہِ حقیقت، ان سب کے جلووں کو باہم دست و گریباں دیکھتی ہے! —— بادی النظر میں یہ مختلف فنون معلوم ہوتے ہیں، مگر غور سے دیکھئے تو جذبۂ تخلیق کا اثر، ہر ایک میں نمایاں نظر آئے گا، مصوری میں بھی، شاعری میں بھی، موسیقی میں بھی، اور بت تراشی میں بھی، اسی طرح ادب میں بھی بحیثیت مجموعی ان تمام فنونِ لطیفہ کی نمائش نظر آئے گی۔ اس نقطۂ نظر سے آپ خلیقی کے ادلبستان کو دیکھیں گے تو قدم قدم پر فنونِ لطیفہ کا چمن زار کھلا ہوا نظر آئے گا، ان کے مضامین میں بت تراشی بھی ہے، مصوری بھی، موسیقی بھی ہے اور شاعری بھی ——!

آنسو کی یہ تصویر ملاحظہ ہو:۔

ایک معصوم خوبصورت، طفلِ نوخیز، کچھ سہما کچھ ڈرا، کچھ متلاشی و جویا، ایک میدان ایک وسعتِ خشک میں کھڑا ہے! گردن میں، مائلِ نشیب، اک خم! نظر بر آمادۂ عروج، اک انکسار اور تھکاوٹ، لب تکلم سے بیزار، مگر التجا کی تصویر، ادائیں سادہ مگر تضرع کی تفسیر، اس کا عنوان "آنسو تھا ——"!

ذیل کے فقرے میں "تخیل" سے خطاب کیا گیا ہے، زرا اس ادبی پارے میں موسیقی کی سحر طرازیاں دیکھئے:۔

"رقص کئے جا! طرح طرح کی رنگینیوں سے معمور، رقص کئے جا! اے میرے طائرِ خیال! رقص کئے جا! تو جب رقص کرتا ہے، مجھے نیند آنے لگتی ہے، میرا دماغ مختلف سرشاریوں

سے لبریز ہو جاتا ہے! جب تو رقص کرتا ہے دنیا سو جانے پر مائل ہوتی ہے! میں بھی جھومنے لگتا ہوں، اور ایسا محسوس کرتا ہوں گویا میں بھی تیرے ساتھ رقص کر رہا ہوں!
کئے جا! رقص کئے جا! میں بھی تیرے ساتھ رقص کر رہا ہوں! ہاں تو بھی رقص کئے جا!"

حسب ذیل فقرات میں بت تراشی یا وسیع معنی میں قوت تخلیق کی صنم کاریاں ملاحظہ ہوں :-

"شب کے اس مطمئن حصے میں جب مہتاب طلوع ہو چکے، جب اُسکی یاسمینی قسمتیں کیف عریانی سے مست ہوں! جب زہرہ اپنا بلورین دف لئے کشتی ماہ پر سوار، چھوٹے چھوٹے شفاف بادلوں کے پرے لٹکائے جو سما میں آہستہ آہستہ سیر کر رہی ہو"

ذیل میں روح شعریت کی رنگین نوائی قابل داد ہے!

"ندی کے پانی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ شراب ہو گیا ہے ——— ؟
شراب اس لئے ہو گیا ہے، کہ روزانہ اس میں قد آدم "نسائی شیشے" معتدل کئے جاتے ہیں!

کس درجہ شعریت ہے محض ایک پیکر نسائیت کے نہانے کی وجہ سے ندی کے پانی کے متعلق یہ "افواہ" (اور یہ افواہ کتنی حسین ہے!) شعریت کی منتہائے پرواز ہے — کسی شاعر نے بھی یہ شاعری بہت کم برتی ہوگی۔

مشاہدۂ فطرت "ادبستان" کے منتشر مضامین میں جذبات و احساسات کی کثرت ہے! اور اس سے مصنف کی قوت مشاہدہ، باریک بینی، یا ژرف نگاہی، اور مطالعہ فطرت انسانی کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے۔ وہ صرف اپنے ہی جذبات کی شدت اور محسوسات کی کیفیت کو خوبصورتی سے بے حجاب کرنا نہیں جانتے، بلکہ دوسروں کے جذبات و محسوسات کا بھی غور و فکر کے ساتھ مطالعہ کرنے کے مشاق ہیں۔

اُن کا نقطۂ نظر بظاہر ایک جواں سال اور آوارہ افکار شاعر کا سا معلوم ہوتا ہے، مگر اس قدر محدود نہیں، اس پردے میں ایک ژرف نگاہ مصور کا دوررس، اور غائر بین قیافہ بھی نظر آسکتا ہے

ایک معصیت کار حسن فروش کو مخاطب کر کے کہتے ہیں :-

"ہر چند کہ ہجوم ابتلائے ہوس کے باعث تو کبھی رات کو تنہا نہیں رہتی مگر پھر بھی کیا تیری روح مطمئن تنہائی کی جویا نہیں ——— ؟"

جوانی کی صدہا بے تابیاں، اور جوان دلوں کی ہزاروں دھڑکنیں ہونگی جو اس حسن فروش طبقے کے آستانِ جمال پر صرفِ سجدہ نظر آئیں گی، مگر کیا کبھی کسی نے اپنے اس قسم کے "حسین میزبان" کی روحی کیفیت کا بھی، سنجیدگی کے ساتھ مطالعہ کیا ہے ——— ؟ جو مادی سرمستیوں سے بظاہر بشاش نظر آتی ہے، مگر اس کے مخملی سینے میں بھی کسی روحی خلش کا ہونا ممکن ہو سکتا ہے! اس کے ہونٹوں پر بادی النظر میں مسکراہٹیں لہراتی دکھائی دیتی ہیں، مگر ان مسکراہٹوں کے پردے میں ایک ہلکا سا آنسو بھی مُنہ چھپا ہو سکتا ہے ——— ؟

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں :-

"تو نے اپنی موسیقی بند کردی مگر یہ محسوس ہوتا ہے کہ نہیں تو تو ابھی گا رہی ہے ——— !"

موسیقی کے بے خودانہ تأثرات کی کس گہرائی میں پہنچ کر لکھا گیا ہے! جہاں اب بھی احساس کی گونج، وارفتہ سامعین کے ذوق سماعت کو، ایک حسین فریب میں مبتلا کر رہی ہے! کون کہہ سکتا ہے کہ یہ "گونج" "یونانی اصنامیات کی "گونج کی دیوی" سے زیادہ حسین اور نازک نہیں، بلاشبہ یونانی علم الاصنام کو، غریب ہندوستان کے ایک گوشہ نشین ادیب کی قوتِ خلّاقی پر رشک آنا چاہیے ——— !!

ایک اور جگہ لکھتے ہیں :۔

"میں نے اُن کے ایسی بے تابی سے بغلگیر ہو کر بوسے لئے، جیسا کہ بوسہ لینے والے جوشِ لذت سے بیخود ہو کر بغلگیر ہو جاتے ہیں ——!

بظاہر، الفاظ کا الٹ پھیر معلوم ہوتا ہے، مگر جذباتِ انسانی کی وارفتگی، اور اُسکے نشیب و فراز کا کس بلاغت کے ساتھ اظہار کیا ہے؟ جس سے بہتر کوئی مثال ذہن میں آ ہی نہیں سکتی۔ حقیقتاً یہی ایک فقرہ، اُن کے مطالعۂ فطرت کی گہرائی اور قوت احساس کی نزاکت کے اعتراف کے لئے کافی ہے۔ مجھے یاد نہیں کہ جذباتِ لطیفہ کی کیفیات اور اُس کی مصوری کے سلسلے میں مَیں نے اس سے بہتر کوئی فقرہ کہیں پڑھا ہو ——!

اصلاحِ معاشرت۔ انگلستان کے مشہور اہلِ قلم کارلائل کا قول ہے کہ "ادب، مفکر ارواح کا ثمر ہے ——!" خلیقی صاحب کے اکثر مضامین کا مطالعہ کرتے ہوئے اس قول کی صداقت کا بے اختیار، اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ یوں تو زندگی بنفسہٖ ایک ایسا وسیع موضوع ہے، جس پر انسان سنجیدگی کے ساتھ، تمام عمر غور کر سکتا ہے، اور اکثر و بیشتر، زندگی کی کشمکش آرائیاں، اور پیچیدگیاں اُسے مجبور تفکر و تدبر کرتی بھی رہتی ہیں۔ خواہ اس کی زندگی خیام "زہر آشام" کی زبان میں، ع "زندگی صرف آج ہی کا نام ہے!" کے مصداق ہو، یا میر کے نقطۂ نگاہ سے "تبسم گل کی حیثیت رکھتی ہو!" اور یا ذوق کے خیال سے یکسر "فرصت برق" اور "تبسم شرار" ہو، بہرحال قابلِ غور شے ہے! زندگی کے ہزاروں مسائل ایسے ہیں، جن پر ہمیں کبھی نہ کبھی مجبوراً یا برضا و رغبت غور کرنا پڑتا ہے، یہی وجہ ہے کہ شعرا سے جس طرح، "درائج الوقت" نقادوں کو ایک پیغام (Message) کی

توقع ہوتی ہے، اسی طرح اُدبا سے بھی وہ حقائقِ حیات کے انکشاف کی، علی قدر مراتب، امید رکھتے ہیں۔

خلیقی صاحب کا نقطۂ خیال ہر چند کہ ایک رنگین خیال ادیب کا سا ہے مگر غور و فکر کا جذبہ بھی، اس پردے سے اپنی جھلکیاں دکھاتا معلوم ہوتا ہے "ایک نقاش کی موت"، "درۂ موت" اور "سوز ہوگی" وغیرہ، اُن کے نقطۂ نگاہ کو اچھی طرح واضح کرتے ہیں۔ مگر اس قسم کے اُن بہت سے حیاتی مسائل و حقائق سے جو اُن کے مضامین میں ضمناً یا اصلاً بر روئے کار آئے ہیں میں خصوصیت کے ساتھ اصلاحِ معاشرت کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔

ہمارے ملک میں، با ایں ہمہ نشاط سامانی، و کیف طرازی، ایک حسن فروش کی زندگی، ایک ایسی شے ہے، جسے "مہذب طبقہ" ہمدردانہ نگاہوں سے دیکھنے کا عادی نہیں۔ اور نہ ہو سکتا ہے — ! میرا ذاتی خیال اس بارے میں مفلوج ہے۔ اور میں اس کے اظہار سے، معصومیّت خیال کے باوجود، اپنی غلط رسوا خیالیوں کا گناہ بے لذت، برداشت کرنا نہیں چاہتا۔ چارلس روڈپر کی زبان میں "ادب، سماج کے اظہارِ خیال کا نتیجہ ہوتا ہے"! لہٰذا، ان معروضات کو سماج ہی کے اظہارِ خیال تک محدود کر دینا مناسب ہے! بلاشبہ اس نقطۂ نظر سے خلیقی صاحب کے اکثر مضامین، اصلاحِ معاشرت کے باب میں سوسائٹی کے مفکر افراد کی توقعات کو، کامل طور پر، مختم سمجھتے ہیں۔ اور اگر ایک ادیب کا کام مصلح بننا بھی ہے تو خلیقی کو ایک رنگین نو مصلح کہنا کچھ غلط نہ ہوگا "مجبورِ گناہ"، "سوز ہوگی"، "تہمت شباب" "رقاصہ" وغیرہ کا مقصد، اصلاحی ہے! اگر خلیقی کی اصلاحی تحریکات، اور ایک مصلح کے اصلاحی اقدامات، میں بہت فرق ہے! حضرت خلیقی دوسروں کی طرح انسانی "تدابیر کی

واماندگیوں کو فراموش نہیں کرتے، بلکہ حالات کی مجبور کن تحریکات کو اس کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں اور پھر اس کا علاج تلاش کرتے ہیں۔

ایک "حسن فروش" کی یہ داستانِ حزیں سنئے، اور سر دھنئے، جہاں وہ اپنی مجبوری کا ان الفاظ میں اعتراف کرتی ہے:۔

"میری حیاتِ رقص و نغمہ، آہ، میری ہستی عریاں و رسوا، مجھے تسلیم ہے، میرے فطری گداز و ترنم کو، مسخ و پامال کر چکی، میں نے کسب معیشت میں سخی مجبوری، میں نے اکل و شرب کے لئے ناچار قدم بڑھایا، تاہم یہ صحیح ہے کہ میری فطرت اس اقدام سے زخمی ہو گئی، اس سے میری شعریت داغدار ہو گئی، سہیل! اس پند و نصیحت سے فائدہ؟ غالباً تمہیں اعتراف کر لینا پڑے گا کہ عورت جب پایۂ عصمت سے گر پڑی، پھر ساری عمر وہ سوسائٹی میں سچی عزت کی مستحق نہیں سمجھی جاتی ——"

حسن فروش طبقے کی مجبوری کے اسباب اور مصلحینِ قوم کی بے پروائی کا ان الفاظ میں اظہار کرتے ہیں:۔

"سہیل! بے شک تعجب کرو، اور جس قدر چاہو ملامتیں بھیجو! لیکن کیا تم کوئی معقول جواب اس بات کا دے سکتے ہو کہ ملک کی مسلسل قحط سالیوں اور اقتصادی مصائب کے ہاتھوں، کوئی شریف گھرانہ تباہ ہو جائے اور ایسے خاندان کی کوئی لڑکی امتدادِ زمانہ سے ٹھوکریں کھاتے کھاتے اس شرافت فروش طبقے کے ہاتھوں پڑ جائے، اور پھر وہ اسی طبقے میں حیاتِ رسوا بسر کر دینے پر مجبور ہو! اب یہ علامتیں کہاں تک درست ہیں، ملک نے تباہ حال خاندانوں، فاقہ نصیب انسانوں کے لئے، اپنے کس شریف جذبے کی آج تک مستقلاً نمائش کی؟ حکومت نے انسدادِ فواحشات میں، کون سی نمایاں کارروائی کی؟ شہروں کے بڑے بڑے

بازار عصمت فروشی کے مرکز بنے ہوئے ہیں، اور مخفی و پوشیدہ، صرف ظاہر بین نگاہوں سے اوجھل، ہزاروں چکلے ہیں، جہاں انسانیت ذبح کی جا رہی ہے، اور ان تاریکیوں میں ہزاروں معزز گھرانوں کی تباہیاں، فلاکت و عسرت کے ہاتھوں، روزانہ عزتوں کی پامالی اور رسوائی سے خوش ہونے والوں کے آگے ڈالی جاتی ہیں ــــ!

ایک جگہ عورت کی اس مجبورانہ "حیاتِ رسوا" کی کس درجہ مؤثر الفاظ میں وکالت کرتے ہیں:ــ

"آہ، عورت، ایک مرتبہ بہک جانے سے، پھر کسی قابل نہیں رہتی، اور مرد، اے ناہنجار مرد! تو ہر روز مشغولِ معصیت رہے، اور پھر سوسائٹی تجھے اپنے میں سے باہر نہیں نکالتی!"

برسبیلِ تذکرہ، یہاں اتنا عرض کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ خلیقی نے اصلی "درد" کا باعث ملک کے اقتصادی حالات کو ٹھہرایا ہے، اور حقیقت یہی کہ ایک ایسے "اسیرِ بیگانہ"، ملک کے اقتصادیات، کیا ہو سکتے ہیں ــــــ؟؟

ہندو سوسائٹی میں "بیوہ" جس بد نصیب ہستی کو کہتے ہیں، اُسکی دلگدازیوں کا حال کس کو معلوم نہیں۔ خلیقی نے اس موضوع پر "سوزِ بیوگی" کے عنوان سے جن حسرت طرازیوں کا اظہار کیا ہے، حقیقتاً وہ مستقل اک افسانۂ غم، اور داستانِ درد ہے۔ ذیل میں اُس کا ایک ٹکڑا پیش کیا جاتا ہے:ــ

"مگر آہ جوان بیوہ یہ معصوم دوشیزہ، اس کو جنسِ کرخت کے اولین عہدِ الفت میں مجروح ہو جانا نصیب ہوا، اُس نے اسی جنسِ بے وفا کو اپنا ذخیرۂ حیات دے دیا تھا، اُس نے اپنی زندگی کا حسن اس صنف کے ظالم چہرے کا وقار بنایا تھا، لیکن افسوس لڑکی کی عمر کا پہلا دور بھی کامل نہ گزرا تھا کہ وہ اپنے لطفِ

طفلی کے لئے سوگوار ہے، اور اپنے شباب کی ماتم داری کے لئے وقف، وہ صنف قوی کے دوسرے افراد کی نگاہوں میں اب اک بے آب موتی ہے! اک محرف حرفِ وفا ہے، اور اک منسوخ عنوان ہے ——— !"

اس سے زیادہ اقتباسات پیش کرنا، مقدمے کی محدود فضا کو دیکھتے ہوئے، ممکن نہیں، ناظرین کتاب کے مطالعے سے، اس معاشرت آشوب پہلو کی رنگین کاریوں کا اندازہ کر سکیں گے۔ اور اس وقت ان کو خلیقی کے اصلاحی اثرات کی صداقتوں کا علم ہوگا

نسائیات، خلیقی صاحب نے نسائیات کا اس قدر بلیغ مطالعہ کیا ہے، کہ اس معاملے میں اردو ادب اُن کے کسی حریف کا نام پیش کرنے سے عاجز ہے، اس سلسلے کا کوئی پہلو ہو، اور اس کا حرم کی محدود چار دیواری اور پس پردہ کی اچھوتی کیفیات سے تعلق ہو یا حسن فروش طبقے کی رسوا جمالیوں سے! حضرت خلیقی کی "پردہ در" نگاہ، ان میں سے ہر ایک کی کیفیّتِ نفسی سے حیرت انگیز طور پر آگاہ ہے۔ بسا اوقات جیسی پتے پتے کی باتیں آپ کہہ جاتے ہیں، دوسرے اُن کی ہوا تک کو نہیں پہنچ سکتے ع ہر کوہ نتا بد ایں صدا را !

اس سلسلے میں "اُن کا خط" "کیفِ نظر" "مجبور گناہ" "تہمتِ شباب" اور بعض دوسرے مضامین قابلِ ملاحظہ ہیں۔

"اُن کا خط" ایک شریف بیوی کے شریف جذبات کا آئینہ دار ہے! اور تمام کا تمام جذباتِ نسوانی کی ان حسین رقتوں سے لبریز ہے کہ، مثال میں پیش کرنے کے لئے کوئی سطر انتخاب کرنا چاہتا ہوں تو قوت انتخاب زخمی ہو جاتی ہے۔

"کیفِ نظر" میں محض ایک نسوانی نگاہ کی آوارگیوں اور رسوائیوں کا تجزیہ کیا گیا ہے، اور نفسیات نسوانی کے ایک خاص حصے پر، حیرت انگیز انداز میں روشنی ڈالی ہے۔

"مجبورِ گناہ"، حسن فروش طبقے کے ایک فرد کی داستانِ مجبوری و واماندگی ہے۔ اور "تہمتِ شباب" ——— "تہمتِ شباب کے باب میں، محض موضوع کی ندرت کا لحاظ کرتے ہوئے کسی قدر تفصیل سے عرض کرنا چاہتا ہوں۔

آج کل "نسائیت و شعریت" نے جس قسم کے جذبات کو موضوعِ شعر قرار دے رکھا ہے اور "نسوانی رجحان وذوق" کی سعی "پرداخت" نے جن شرمناک بیباکیوں کی تحریک کا آغاز کر دیا ہے، وہ کسی "اندرونی" یا "بیرونی" شہادت کی محتاج نہیں! عہد حاضرہ کی اکثر حجاب شکن ہستیوں کے "شیش محلوں" میں جس طرح "پامالی ذوق" کی غیر معصومانہ، مثالیں نظر آشوب ہو سکتی ہیں، اسی طرح محشرستانِ صحافت میں بھی ان کی "دراز دستیاں" بڑی حد تک کھل کھیلی ہیں۔ اہلِ نظر ان سے اور ان کی مردانہ جراتوں سے غافل نہیں ہیں۔ اور اگر ہوں بھی تو اردو کے بیشتر رسالے، انہیں، اس "لیلی صورت" مگر "مجنون خصلت طبقے کے مظاہرات شباب وشعر سے کبھی نہ کبھی ضرور دو چار کر دیں گے

یہ صحیح ہے کہ مرد و عورت، اشتراکِ حیات کی دو ایسی تصویریں ہیں جو کبھی کسی حال میں جدا نہیں ہو سکتیں، اور پھر جب دنیا انہیں میدان عمل میں، دوش بدوش لا کر کھڑا کر دیتی ہے، تو شرکتِ عمل ناگزیر ہو جاتی ہے۔ مگر یہ کیا ضرور ہے، کہ یہ شرکت، ان حقوق میں بھی دخل انداز ہو، جو تنہا ایک مرد یا ایک عورت کی ذاتی حیثیت سے وابستہ ہیں، دوسرے الفاظ میں یوں کہنا چاہئے

کہ اکثر فرائض ایسے ہیں جو علیحدہ علیحدہ ان میں سے کسی ایک کے لئے مختص ہیں، اور ان کا ایک دوسرے کے ایسے فرائض کو چھیڑنا قطعی ناروا ہے، آپ ہی انصاف سے کہئے! اسے کون صاحبِ ذوق برداشت کر سکتا ہے کہ پھول، کانٹوں کا فرض انجام دینے لگیں اور کانٹے پھولوں کی سی نزاکت و رعنائی سیکھ جائیں ۔؟

مرد، مرد ہے، اور عورت، عورت! ——— اضافی اوصاف و کمالات سے کہیں بلند، جس طرح ایک مرد کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ ایک مرد ہے، اسی طرح ایک عورت کیلئے یہی بہت ہے کہ وہ ایک عورت ہی! پھر اگر ایک مرد کے بہ شایان شان نہیں ہے کہ وہ ایک عورت کے حقوق کا سرمایہ دار بننے کی کوشش کرے تو ایک عورت کو بھی یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ ایک عورت کے سوا کچھ اور ہونا چاہیے! ——— حقیقتاً ایک عورت کا نسوانی غرور، یہ کیونکر برداشت کر سکتا ہے کہ وہ اپنی پاکیزہ نسائیت کی مینو سواد، اور بہشت نژاد گل زمیں سے باہر نکل کر "مردیت" کے خارزار میں دامن چاک نظر آئے؟ باغ میں پھول اور کانٹے، دونوں ہوتے ہیں، اور دونوں کی پرورش میں ایک شگفتگی صرف ہوتی ہے! اگر یہ بہار پیکرِ ہستی اپنی "شادابیوں" سے پھولوں کو زخمی کر دینے کی تمنا کرتی ہے تو اسے کانٹوں سے زخمی ہونے کے لئے بھی تیار رہنا چاہئے ——— شر کرنا گناہ تو نہیں، لیکن جب اس سے شباب برتنے کی تحریک ہو تو یہی سب سے بڑا گناہ ہے، اور کون نہیں جانتا کہ بڑے بڑے گناہوں کا آغاز، چھوٹی چھوٹی غلطیوں سے ہی ہوتا ہے ————!

عورت، یہ ہیکلِ معصومیت، یہ پیکرِ الوہیت، زندگی کے تنکدوں میں ایک پرستیدہ، بنا کر لائی گئی ہے، ایک معبود و مسجود کی صورت میں پیدا کی گئی

ہے، اور اُسی وقت تک عورت رہتی ہے، جب تک کہ وہ اپنے حسین چہرے پر، پاکیزہ اور خالص نسائیت کا اچھوتا نقاب برقرار رکھتی ہے، مگر جب خود اس کی شاعرانہ فطرت کا بیباک پہلو، اُس کے گوشہ نقاب کو، پامال بے نقابی، اور اُس کے حسن کو ہدفِ انظار بنا دیتا ہے تو پھر وہ عورت نہیں رہتی! اُسکی روحانیت تباہ، اُس کی عصمتِ خیال برباد، اور اس کی صفائے روحی غارت ہو جاتی ہے، اور اب وہ ایک آوارہ نظر، ایک دماغ باختہ ایک مجروحِ شباب، ایک مضمحل کیف، ایک پامال روحانیت، یا پھر ایک سوگوار ماضی، اور ایک ماتمی مستقبل کہلانے کی مستحق ہوتی ہے، جس کے لئے میخانہ ہستی ہیں، ٹوٹے ہوئے ریشیشے کے ٹکڑوں کے ساتھ "توبہ کے ٹکڑوں" کو جوڑنے، اور یونہی جوڑتے رہنے کے سوا کوئی مقدس وظیفہ رعمل باقی نہیں رہتا—— گناہ کی پاداش یقینی ہے! اور جب اُس کی جوانی کی گذری ہوئی راتیں، عیش وعشرت اور لطف ولذت کے سنہری افسانوں سے آباد رہی ہیں تو اُسے ان کے المناک نتائج بھی برداشت کرنے پڑیں گے——!

تحریکات شباب وشعر کے ہاتھوں، جب ایک عورت، اپنے حیاو حجاب کے مقدس خلوت خانے سے نکل کر، کمال فیاضی اور بے باکی کے ساتھ، "سر رہگذر" اپنی صنفیت کو وقف تماشائے عام کر دے، اور سوسائٹی اس کے ساتھ کچھ اور —— سلوک کرے تو اسے معذور گستاخی خیال کرنا چاہئے، حسن، جب تک کہ خود دعوت نظارہ نہیں دیتا، تماشائیوں کو خاک بھی نظر نہیں آتا! باغ میں جب تک کہ خود پھول، اپنی آوارہ نکہتوں کی "زبان بے زبانی" سے صلائے لذت نہیں دیتے، غریب رہگیروں کو کتنے نے نہیں کاٹا کہ، ناحق، دیوا

پھاند کر کانٹوں میں الجھتے پھریں ——— مختصراً "تہمت شباب" کے پریشان
خواب کی یہی تعبیر ہے ——— !!!

آپ دیکھیں گے کہ ان تحریکات، اور ان کے نتائج سیئہ پر حضرت خلیقی
نے جس ہوش پرور انداز میں گفتگو فرمائی ہے، وہ اہل نظر کے لئے کس قدر
بصیرت افروز ہے؟ انشائے عالیہ کی عام رعنائیوں کے علاوہ جو ہمارے محترم
ادیب کا وظیفۂ نگارش ہے، اس افسانے کے (بظاہر غیر مربوط) سلسلے ہیں،
نسائیات سے متعلق، اکثر ایسے اہم مسائل نفسی کا اہتمام پایا جاتا ہے، جن کے
"سنہری کوچوں" سے ——— ہم میں سے بہت ایسے ہیں، کہ روز گزرتے ہیں، اور
اس طرح کہ اُن کا ہر شریف جذبہ، درسِ احساس کی عبرت آمیز لطافتوں میں
ڈوبتا جاتا ہے ——— "ضائعاتِ شباب" کا حسرتناک افسانہ! اور اخذِ ملامت
کی تاسف تماشا رنگینیاں! مطلوباتِ جمیل کی ہنگامہ آرائی، اور عقلِ بالغ کی
انتقادی نقطہ پردازیاں! داعیاتِ نفس کی داستانِ تکمیل، اور عوارضِ روح
کی مسیحائیاں! ——— ہر قدم پر دل دھڑکتا ہے، ہر منظر پر آنکھ جھپکتی ہے! اور
ہر منزل پر روح نہایت گہری ناگواریوں سے دوچار ہوتی ہے! مگر فرصت کسے ہے،
جو اس طرف توجہ کرے؟ اور کون زیاں کار مصروفیت ایسا ہے جو "قمار خانۂ شعر
و شباب" کی ایک ہاری ہوئی، ایک دکھی ہوئی جوانی کی بپتا سننے کو دو گھڑی کے
لئے ٹھہر جائے ——— ؟؟

قارئین ملاحظہ فرمائیں گے کہ آپ نے، اس نوع کے مضامین میں، جہاں سے
گفتگو شروع کی ہے، بے حد بالغ نظری کے بعد، اور جہاں بات ختم کی ہے، عمیق فلسفیانہ
نتائج کی ترتیب کے ساتھ! پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ آنکھ بچا بچا کر "غیرتِ دل" کے ساتھ،

جہاں کہیں معاملہ برتا ہے، اور احساس و فہم کے ساتھ جہاں کہیں سلوک کیا ہے وہ ادبی مطائبے میں بھول نے والی چیز نہیں —— !خدا آپ کی لطیف "چٹکیوں" میں مزید قوت عطا کرے، اور ہمارے سینے اخذِ خلش کے جذبات پر ناز کرنے لگیں!

"ادبستان" کی حسین و رنگین نگارشات پر، یہ ایک اجمالی سا تبصرہ، اس قنعت و محبت کا آئینہ دار ہرگز نہیں ہو سکتا، جسکی یہ کتاب مستحق ہے، خیالات کی پریشانی اور راجپوتانے کے دیہات کا قیام جہاں کتابوں سے بالکل محرومی ہے، اس اجمال کی مجبوری و معذوری کے اسباب بننے کو کافی ہے، ورنہ حقیقتاً، رعایت ذوق کا تقاضا یہ تھا کہ پہلے یہ "شراب" "چھک" کے پی جاتی، اور اس کے بعد اسکے ایک ایک جرعہ کے معنوی حسن پر نگاہ صرف کی جاتی، بہر کیف "یار زندہ صحبت باقی" کے "وعدے" پر یہ مقدمہ ختم ہوتا ہے، ناظرین کو حضرت خلیقی کی سلامتی مزاج کی دعا مانگنی چاہیے، جن کے دم سے ادبی دنیا کے اکثر مخصوص عنوانوں کی ہنگامہ فروزیاں زندہ ہیں —— !اے

وجود نازکت آزردۂ گزند مباد!

تنت بناز طبیباں نیاز مند مباد!

تاکہ اُن کا بہار پرور قلم اسی طرح، پھول برساتا رہے، جس سے ہمیں اپنے ذوق و شوق کے لئے سامان "سوز و گداز" میسر آئے، اور —— !!

اختر شیرانی

۱۸، فلیمنگ روڈ۔ لاہور

۲۱۔ جنوری سنہ ۳۱ء

مصنف



خلیقی دھلوی

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

تہدیہ

نیاز بحضورِ ناز

خُداوندا! اک لڑکھڑاتی ہوئی زبان، اک تکلّم کے زور سے قاصر گویائی، اگر تیرے لطف و احسان، تیرے اکرام و عطا یا کو حسنِ طلاقت کے ساتھ شمار نہیں کرا سکتی، تو کیا اے پردہ پوش مالک تو اُس کے اِس اقرارِ عجز، تو اُس کے اِس اعترافِ قصور کو اپنی قبولیت و رضامندی کی چادر میں نہیں ڈھانپ سکتا؟

اے مالک! اک پاشکستہ و بے کیف قلم، ہاں اک ایسا قلم جو نیرنگ

جمال کی نت نئی کرشمہ آرائیوں کے بیان سے عاجز اور اُس کے اظہار کی قابلیت نہیں رکھتا وہ اگر تیری مہربانیوں کے نشترِ کامل سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا، تو اے مسکین نواز! تو اُس کی اِس شرم، تو اس کے اس رقیق انفعال کو اپنی بندہ پرور پسندیدگی سے سرفراز نہیں فرما سکتا؟

اے تو وہ کہ جو شستگیٔ زبان اور شگفتگیٔ بیان کی نسبتوں سے بلند اور طلسم ستائش و نیائش سے مستغنی ہے!!

اے وہ تو کہ جو گدازِ ترنم اور شوخیٔ تکلم سے بے نیاز اور مسرتِ مدح و تلخیٔ ذم سے بے پروا ہے۔ مجھے بتا تو آخر تو کیا ہے؟

اے آقا! کاش کبھی، تو مجھے تیرے حضور میں باریاب ہونا نصیب ہو جاتا، اور میں اپنی ملکیت سے معمور طرزِ بیان سے تیرے لاہوتی ہونٹوں پر ایک خفیف سا تبسّم پیدا کر دینے میں کامیاب ہو جاتا!

آقا مجھے آرزو ہی رہی کہ کسی طرح میں اپنی فرصتوں کا خلاصہ، اپنے ٹوٹے پھوٹے قلم کی چند لکیریں، اپنی بندگی کے چند نقوش، تیرے حضور پیش کر دیتا!

مالک! میری لکنت یُوں ہی بھول کترتی رہی، ——!

میرا قلم یونہی بے کار و بے کیف جنبش کرتا رہا ——!

میری ساری عمر یونہی انتظار میں گُم سُم گزر گئی ——!

اے آقا! کیا مطمئن ہو جاؤں کہ تو کبھی نہ کبھی ضرور آئے گا۔ اور میری یہ سب کچھ سن لے گا ——— ؟؟

کیا میں اپنے دن ان ہی انشاہائے خوش میں بسر کر کے اپنی رات کو بھی تیری تعریف کے مشغلۂ لطیف میں کاٹ دوں؟ اور اپنے دھیان کو تیری ہی یاد کی آغوش میں تھکا تھکا کے چھوڑ دوں ——— !

تخیّل

کئے جا، طرح طرح کی رنگینیوں سے معمور رقص کئے جا! اے میرے
طائرِ خیال رقص کئے جا!!

تو جب، رقص کرتا ہے یا مجھے نیند آنے لگتی ہے، میرا دماغ مختلف، قسم کی سرشاریوں سے پُر کیف ہو جاتا ہے، جب تو رقص کرتا ہے، دنیا سو جانے پر مائل ہوتی ہے، میں بھی جھومنے لگتا ہوں اور ایسا محسوس کرتا ہوں کہ گویا میں بھی تیرے ساتھ رقص کر رہا ہوں!

کئے جا، رقص کئے جا، میں بھی تیرے ساتھ رقص کرتا ہوں، ہاں، تو بھی رقص کئے جا!!

میں نے تجھے طائرِ خوش تکلّم، کہا، میں نے تجھے شیریں سخن پرندے سے تشبیہ دی، ——— آہ سخت غلطی کی!

تُو تو میرے جذبات کا اک پیکرِ حسین ہے، تُو، تو میرے حسیات کی اک خوبصورت تمثال ہے، افقِ بعید کی متکلم رنگینیوں میں، آسمان کی پُر سکوت فضاؤں میں، مرکزِ التقا سے، یا اس کے قریب سے تو وجدانی راگ گاتا

ہے اور رقص کرتا ہوا سا معلوم ہوتا ہے!

تجھے تو بس نغمہ ہی کہوں، تخیل، نہیں، تجھے تو بس رقص ہی کہنا ٹھیک ہے، اچھا ——— گائے جا، اور کئے جا، رقص ——— ہاں کئے جا!!

تُو، تو نغمہ، اور رقص کا ایک جمیل بادل ہے جو کرۂ ارضی سے اونچے ہی اونچے، نیلے آسمانوں پر اُڑتا ہے اور جب، اُڑتا ہے تو گاتا ہے، اور جب گاتا ہے، تو اُڑتا ہے، دنیا کچھ بھی کہے، تیرا وجود، میرے ہاتھوں کو محسوس اور میری آنکھوں کے سامنے مرئی ہے!"

شاداب وسعت میں، پُر فزا صحن باغ میں شب کے اس مطمئن حصے میں جب مہتاب طلوع ہو چکے، جب اُس کی یاسمینی شعاعیں، کیف عریانی سے مست ہوں، جب زہرہ اپنا بلوریں دف لئے کشتیٔ ماہ پر سوار، چھوٹے چھوٹے شفاف بادلوں کے پردے لٹکائے جو رسمائیں آہستہ آہستہ سیر کر رہی ہو، تو بھی دوڑتا پھرتا ہے، پر از کیف عالمِ رقص میں، تو، اک اس روح کی طرح خوش خوش، جس کی زندگی آج ہی سے شروع ہوئی ہو ——— اچھلتا ہے، کودتا ہے، گاتا ہے، اور رقص کرتا ہے ——— گائے جا، رقص کئے جا!!

تیرے مسرت بار چہرے سے شام کی سرخی مائل رنگینی نمایاں ہے، اور ایک شفاف روشنی، تیری پروازمیں سے چھلکتی ہے. تیرے نغمے کا اثر، اور تیرے رقص کا کیف ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ساری فضا میں نزہت اور سکوت

بن کر منتقل ہو رہا ہے ——— ، یا پھر ——— زہرہ کے گیت میں ترنم
اور صد لئے دف میں سوز ہو کر تحلیل ہو جانے کا منتظر ہے !!
اپنی سرمستیوں میں سرشار ، بارہا تو مجھ سے بہت دور چلا جاتا ہے ، اس
طرح ، جیسے کہ ستارے دن کی روشنی میں ، نظر نہیں آتے ، تو بھی مجھے نظر نہیں
آتا ، دکھائی نہیں دیتا ، تاہم میں تیری مسرتوں سے معمور آواز ایک راگ کی
شکل میں سنتا ہوں ——— کبھی تو بے سمجھے ، بوجھے ، لطفِ آواز سے مست
و سرشار ہو جاتا ہوں۔ کبھی سمجھ کر کیف و مسرت سے بیخود !
مَیں سُنتا ہُوں ، اتنی بلندی سے ، جتنی بلندی سے ، مہتاب کے طبق
روشن سے سفید شعاعیں بکھر کر نیچے گرتی ہیں۔
تُو میری نگاہ سے اوجھل ہے ، مگر میرے ہاتھوں کو محسوس ، تو چھونے
سے تمیز نہیں ہوتا ، لیکن آنکھوں کے آگے مرئی ہے !
تیرا یہ تنہا وصف ہے کہ ایک وقت میں تو محسوسات میں داخل بھی ہے
اور مرئیات سے خارج بھی ، تو ایک وقت میں مرئیات میں شامل ہے پھر
محسوسات سے باہر بھی !
روز نہیں ، کبھی کبھی ، اس طرح کہ رات کو جب مطلع صاف ہو جائے !
اِدھر اُدھر دور کہیں اک بادل کا ٹکڑا ہو ، اور اُس کے پیچھے سے چاند اپنی روشن
شعاعیں تیزی کے ساتھ زمین پر ڈالے تو تمام فضائے آسمانی منور ، اور ہر

سمت روشن نظر آتی ہے، اسی طرح، روز نہیں، کبھی کبھی، زمین کا پھیلاؤ اور کرۂ ہوا تیرے مسرت ریز نغموں سے معمور ہو جاتا ہے!

تُو کیا ہے، تُو، کون ہے؟ ٹھیک ٹھیک میں نہیں بتا سکتا۔ تجھے سب سے زیادہ، کس شے سے مشابہت ہے؟ یہ بھی نہیں جانتا، مگر ہاں اتنا معلوم ہے کہ قوس قزح کے بادلوں میں سے، زمین پر جو رنگین، بوندیں برستی ہیں وہ مجھے اتنی بھلی نہیں معلوم ہوتیں، جتنی کہ تیرے مترنم راگ کی خوشگوار بارشیں، اچھی معلوم ہوتی ہیں!

تو ایک شاعر کا ہیولائے متکلم ہے، جو اپنے خیالات کی اضطراب زا ایوبلی میں اپنے روشن حسیات کی دھن میں محو ہے، اور جو بغیر کسی کی فرمایش کے، جو بلا کسی کے لطف و اصرار کے راگ گاتا ہے، لوگ ہیں کہ اُس کے گیتوں کی قدر و منزلت کر رہے ہیں، اور وہ ہے کہ اُس کو پروا بھی نہیں ——— ؟!

تُو ایک ناز آفرین خاتون ہے، جو اپنی زرین محلسرا کے ایک گوشے میں بیٹھی، اپنے اُس دل کو جو صدماتِ عشق سے چُور، چُور، ہے، اک شیریں و دلکش نغمہ سے جو کیفِ محبت سے معمور ہے، بہلا رہی ہے، اُس کا دل نغمات مسرت سے بھر جاتا ہے۔ اور وہ اپنی امیدوں میں کامیابی کی اک ہلکی سی جھلک پیدا ہوتی دیکھتی ہے!!

تو وہ اک سنہرا متحرک نقطہ ہے، جو شبنم آلود سرسبز وادیوں میں ہشاداب

کنجوں میں بغیر کسی کے دیکھے، رنگین و روشن تاج پہنے، چھپا پھرتا ہے، جو پھولوں میں گھاس میں جگنو بن کر روپوش ہو جاتا ہے جو ہماری بھولی ہوئی شے کی طرح دفعتہً یاد آ کر حافظے کی کمزوری، روداد کے عدم تسلسل کے باعث پھر فراموش ہو جاتا ہے جو اس طرح یاد آئے اور بھولے، دکھائی دے، اور چھپ جائے، ملے اور گم ہو جائے، تو وہ ہے!!

سب سے سبقت لے جاتے ہیں ——— چشمے سے نکلتے ہوئے پانی کے قطروں کی نازک آواز سے بھی، چمکتی ہوئی گھاس پر وہ پھول جو مینہ برسنے کے بعد تر و تازہ ہو جاتے ہیں، اُن سے بھی تمام خوشنما اور جمیل منظروں سے، تمام خوش الحان نغموں سے، اے پیکر، نغمہ و رقص و تخیل، تیرے راگ تو سب سے سبقت لے جاتے ہیں ——— !!"

اے منوّر وہم، اے حسن گویا، مجھے بتا دے، تیرے وہ دلربا تاثرات کیا ہیں! میں نے تو کبھی کسی کے شباب، اور کبھی کسی طرح کی بھی شراب میں ایسی فراغت و مستی نہیں دیکھی، جس نے دیکھنے اور سننے والوں پر اتنا اثر کیا ہو ———! جس قدر کہ تیرے سادے سے راگ نے مدہوش و بے خبر بنا دیا ہے، اگر تیرے لوچدار راگ سے، نغماتِ شادی یا مسرت آمیز مبارکبادیوں کا مقابلہ کیا جائے تو وہ بالکل بے اثر اور بے کیف ثابت ہوں گے، انجان سے انجان کو بھی چپکے ہی چپکے دل میں محسوس ہو گا کہ اس میں کوئی نقص اور خرابی ضرور ہے!

بتا دے، مجھے تو بتا دے، وہ کیا چیزیں ہیں جو تیرے دلکش اور پیارے راگ کو موثر بناتی ہیں ——— ؟ وہ میدان کی وسعتیں ہیں؟ سمندر کی موجیں ہیں؟ پہاڑوں کی بلندیاں ہیں؟ ——— کیا وہ آسمانوں کی دلچسپیاں اور زمین کی گونا گونیاں ہیں؟ ——— یہ بھی نہیں تو کیا پھر وہ عشق کی بوقلمونیاں ہیں ——— ؟ ؟ آخر وہ کیا چیزیں ہیں، جو تیرے راگ کو دلکش بناتی ہیں؟ تو چاہے خواب میں ہو، چاہے بیداری میں، تجھے، حیاتِ جاوید کا حال ضرور معلوم ہے، جس کا ذکر انسانوں میں بارہا ہوتا ہے، کچھ بھی ہو تجھے مسرّتِ ابدی کے حالات سے کچھ نہ کچھ واقفیت ضرور ہے، ورنہ کوئی وجہ نہ تھی، تیرے نغمے رنج و غم سے پاک رہتے اور اُن کی تانیں بہت دنوں تک یوں زندہ رہتیں!! آہ ہم آیندہ، اور گذشتہ کا خیال کر رہے ہیں، جو کبھی میسّر آنے والی شے نہیں ——— !

ہماری سچی خوشی میں بھی غم کا کچھ نہ کچھ شائبہ ضرور ہے، ہم سب سے عمدہ وہ گیت جانتے ہیں، جن میں حسرت بھرے خیالات ہوں ——— !

اگر ہم ایسے نہ ہوتے، اور غم سے دور، تو اُس وقت کا تصوّر میں نہیں کر سکتا، جب کہ میری خوشی، تیری خوشی و شادمانی کے برابر ہوتی ——— !

تمام ایسے رنگین اشعار جو ذوق کو لذت دیں، ایسے نازک اور حسین رخسار ——— جو نگاہوں کو طراوت بخشیں، اے حسن و محبت سے

سرشار، حسن تخیل۔ تیری تانیں، ایک خوش فکر شاعر کے لئے اُن سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔

اگر تو مجھے اپنی آدھی سرمستی اور مسرتیں حاصل کرنے کا ایسا لطف ذریعہ دے دے جو تجھے حاصل ہے، پھر مجھے دیکھ کہ میری زبان سے کیسے دلکش مضامین نکلتے ہیں، ساری دنیا میرے گیت سننے کے لئے تیار ہو، جیسا کہ ہیں، اب تیرے پُرلطف نغموں کے لئے ہمہ تن گوش رہا کرتا ہوں ——— !

کیفِ نظر

کوئی بھی تقریبِ اجماع ہو، مگر حسین طبقے کی ہر صحبت طرح طرح کی شانداریوں اور انجذاب آفرینیوں کے اعتبار سے ہوتی ہے دل فریب!

یوں تو عیش و مسرت کی ایسی ہر مجلس، لذتِ روح، اور حظ نظر کے لئے کافی ہے، لیکن مجھے تو سب سے زیادہ لطف حاضرین میں سے ایسی "اُن دو" ایک دوسرے سے متعارف نگاہوں کے ملنے پر آتا ہے، جو چوری، چوری سے ہم آغوش ہو رہی ہوں ——— !

جن کی متبسّم و شرمگین ادائیں، کسی عمیق وجہِ تعارف کو چھپائے نہ چھپا سکتی ہوں جن کا گوشہ چشمِ لطف، کسی خاص، اک جانب کو جھکا پڑے، جو ہنگامے سے کترا کے، کن انکھیوں، سے ایک دوسرے سے، مالوف ہوں، جن کا آہستہ سے اُدھر ——— اِدھر دیکھنا، اور جلد، جلد، ہدفِ نگاہ بدلنا حجت ہو، سعی اخفائے راز پر ——— آہ۔

دوستوں سے بچا کے، اور عزیزوں سے چھپا کے، مجمع میں جب، دو محبوب نظریں، ہزاروں کیفیات سے معمور، جب ایسی دو نگاہیں، باہم

ملتی ہیں تو مجھے تو اُن کے تاڑنے میں بڑا لطف آتا ہے!

حب حسن، اداؤں میں وجہ جاذبیت ہو اور محبت آنکھوں میں کیف و کشش بن جائے، تو پھر تمام حرکات و اشارات جو اس سے صادر ہوتے ہیں، وہ دل پر اُن معنیٰ آفرین الفاظ سے بھی زیادہ اثر کرتے ہیں، جو کسی خوش گفتار نازنین کے لب سے نکلے ہوں، ——— !

اس لئے کہ جو کلام منہ سے نکلتا ہے وہ تمامتر صحیح نہیں ہوتا، اس کا بیشتر حصّہ، عقل و دانش کے ماتحت سوچ کر اور سمجھ کر ادا کیا جاتا ہے، وہ غور کر لینے کے بعد کہا جاتا ہے؛ مگر اس کے برعکس آنکھوں سے جو امور ظاہر ہوتے ہیں، اور چشمِ سخن گو جو تقریر کیا کرتی ہے اُس میں تصنع و فریب کو مطلق دخل نہیں ہوتا، وہ مبالغے سے پاک ہوتی ہے، اور اُس میں بےساختہ پن کی اک ایسی ادا ہوتی ہے جو حقیقت پر چھائی جاتی ہے۔

آپ غور کر دیکھیں، جب کوئی بعید از قیاس بات کہے، آپ اُس کی آنکھوں کو تعمق سے دیکھیں، صداقت و کذب کی حقیقتیں، آپ کو جلوہ آرا نظر آئیں گی!

ایک مرتبہ "امپائر پکچر پیلس" کے سیکنڈ کلاس میں دیکھا، کہ اک نازآفرین لیڈی، جو اداؤں سے متین، اور نگاہوں سے شوخ، جو آدابِ رفتار و تہذیبِ نشست سے سنجیدہ، مگر تبسّم لب، اور خمِ گردن سے شریر، جو عام ہیئتِ

جسمی سے معصوم لیکن بشرے سے چنچل معلوم ہو، آئی، اور مجھ سے، آگے کی لائن میں بالکل میرے محاذ میں بیٹھ ——— وہ تنہا نہ تھی، اس کے ساتھ اور ایک جنٹلمین تھا، آدابِ خطاب اور اندازِ گفتگو سے بہت جلد معلوم ہو گیا کہ وہ اُس حسین میڈم کا ——— شوہر ہے!

تماشے کے شروع میں ابھی پندرہ منٹ باقی ہیں، کیا اس وجہ سے وہ کچھ گھبرا رہی ہے؟ وہ تنہا بھی نہیں ہے!

اُس نے چند مرتبہ اگر دروازے میں سے ہر آنے والے کو غور سے دیکھا ہے، تو اُس کے بعد ہی پیچھے مڑ کر اُس کھڑکی پر بھی نظر ڈالی ہے، جہاں سے تماشہ شروع ہونے کے وقت فوکس ڈالا جاتا ہے!

اس سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اُس کو تماشے کا انتظار تکلیف پہنچا رہا ہے!

لیکن میں نے جس کو آنکھوں کی کیفیات پڑھ لینے میں ایک خاص ملکہ ہے خدا جانے، میڈم کی مشوش آنکھوں میں کیا پڑھا، کہ دل میں ایک خاص قسم کی خلشِ تفحص پیدا ہو گئی ——— !

اُس نے عقب و پیش کے آڈینس پر ایک تجسس آمیز نگاہ ڈالی

مَیں نے اُس کو دیکھا ——— !

اس کے بعد اُس نے فوراً دروازے سے آنے والوں کو ایک منٹ تک

بہ اطمینانِ ہیبت و بہ انتشارِ روح دیکھا ——

میں نے خاص اس حالت کو بھی پڑھا —— ؟

پھر اُس نے ایک اضمحلالِ شکستہ کے ساتھ پیچھے مڑ کر اُسی روشنی ڈالنے کی جگہ کو دیکھا —— وہاں سے نظر ہٹائی، سفید چھوٹے سے رومال سے، اس کے باوجود کہ جبین پر پسینہ نہ تھا مگر ماتھے کو پونچھا، پھر اپنی ننھی سی رسٹ واچ میں ٹائم معلوم کیا —— اِن تمام کیفیات کو بتدریج میں نے دیکھا، اور چند مقدمات پر ان مبصرات کو ترتیب دے لیا!!

ہر چند کہ حالتِ تفحص و انتظار کی پریشانیاں، بہ ظاہر ایک ہی سی شکل رکھتی ہیں، مگر بلحاظِ محسوساتِ روح، اور بہ اعتبارِ کیفیاتِ قلب حسنِ تفہم کے لئے ان دونوں میں ایک خاص امتیاز ہے!

تماشہ ابھی شروع نہیں ہوا؟

گھڑی اس لئے دیکھی تھی،!

دروازے سے آنے والوں کو دیکھنا،؟

اس لئے کہ ابھی تو تماشائی چلے آرہے ہیں!

پیچھے مڑ کے کیوں بار بار دیکھا؟

اِس لئے کہ فوکس کی کھڑکی کب کھلے گی!

تفحص کی یہ ادا اِس قدر معمولی ہے کہ ذرا سی بشرے کی غلطی سے چہرہ

تصنع کا بھانڈا، خود پھوڑ دیتا ہے،

حقیقت میں یہ سب کچھ تھی بھی بناوٹ، اور تاویل تھی اُس تکلیفِ انتظار کی جس سے کہ میڈم کی روح متاثر ہو رہی تھی!

اِن مصنوعی اداؤں سے یہ چاہا جا رہا تھا کہ لوگ اگر سمجھیں تو بس یہ، کہ تماشے کی تعویق، میڈم کو شاق ہے، ناگوار ہے!!

اب تھیٹریکل ہال میں اندھیرا ہو گیا، اور تماشہ بھی شروع، مگر اُس کی تکلیف انتظار اور اُس کی آنکھوں کی کیفیتِ تجسس بدستور ہے ——

"اس ایک آنے والے سے وہ بھی بے خبر رہی!"

ایک شخص اثنائے تماشہ میں آیا، میرے لئے کوئی غیر معمولی وجہ نہ تھی جو اس کو معلوم کرتا، ہاں وہ آیا —— اور میری پشت کی کرسی پر میڈم سے ایک لائن پیچھے بیٹھ گیا، —— بیٹھ گیا! —— پندرہ بیس منٹ میں وہ کامک فلم ختم ہو گیا۔

مگر اُف رے کشش و جذب، اب کی مرتبہ میڈم نے ٹھیک اپنی پشت پر مڑ کر نگاہ ڈالی، جو مجھ پر پڑی، مجھ سے نظروں کا گراس ہوا، مجھے کیا معلوم پھر نظر مجھ سے بھٹک کر کہاں گئی، اور کس پہ پڑ گئی اس لئے کہ میں تو میڈم کی حسین آنکھیں دیکھ رہا تھا، یکایک میڈم کی حسین آنکھیں غیر معمولی جوشِ مسرت سے چمک اُٹھیں ——!

ہائے جو آنکھیں اب سے پہلے یکسر پیکرِ تجسس و تلاش تھیں اب وہ تمثالِ اطمینان و کامیابی تھیں، جن دیدہ ہائے شوق میں پہلے سعیٔ محبت، کامل ترین خاموشی کے ساتھ پنہاں تھی، اُنہیں میں اب مسرتیں کھیل رہی تھیں، چشم تنگی کی مایوسیاں یکایک شادمانیوں میں بدل گئیں، اور مجھے اپنے پیچھے کسی عجیب شے کے موجود ہونے کا احساس ہؤا، وہ، استعجاب آمیز تخاطب کی اک ادا تھی جس نے مسٹر برین کہا ——!

اور وہ اپنی قریب کی کرسی پر نزاکت سے ہاتھ رکھنے کی اک خاص طرز تھی، جس نے میرے پیچھے سے اک شخص کو بلایا، اور وہ اطمینان و انبساط کی ایک بسیط لہر تھی، جو ایک چہرے پر پیدا ہوئی، اور دوسرے پر ختم ہوئی اور یہ سب کچھ مل ملا کر آنِ واحد میں ایک ایسا منظر بن گیا کہ جس سے میں غیر محسوس —— طریقہ سے ایسی باتیں معلوم کر سکا، جن کی خوشگوار لذت مجھے ابھی تک یاد ہے!

میڈم کی آنکھوں کی وہ غیر معمولی دلچسپی و درخشانی مجھ سے نہ پوچھئے، میرا کوئی حق نہیں جوان دو شریفوں کے متعلق، کسی قسم کی رائے زنی کر سکوں، مگر اُن آنکھوں کی کیفیتِ بادہ ریز، وہ ایک شے سے مخمور، اور اک معاملہ سے محجوب، ان آنکھوں کی کیفیتِ سرور انگیز، میں ہرگز نہیں بھول سکتا ——

اب وہ دونوں تماشے میں تھے، مگر تماشے سے غافل، وہ دونوں قطعاً

خاموش تھے مگر مسرتیں منہ سے بول رہی تھیں۔

چہرے کی عام حالت اگر ربطِ خاطر کے اخفا کے لئے کوشاں ہے تو شرمگیں آنکھوں کا جھکاؤ خواہ مخواہ اُسے اِک راز بنائے دیتا ہے۔

اداؤں کی کوشش ہے کہ میڈم کا یہ التفات مراسم کی پابندی، اور آدابِ معاشرت کی تعمیلِ محض ہے۔ مگر نگہِ منفعل چغلیاں کھا رہی ہے، کہ یہ تو نہیں ہے!

معصوم سنجیدگی، متخیلہ کے الزامات سے برأت کی التجائیں کر رہی ہے، دبی ہوئی سہی، لیکن آنکھوں میں چھپی ہوئی شرارت کہہ رہی ہے، ہرگز نہیں، "کبھی یقین نہ لانا" یہ سب بناوٹ ہے، یہ سب جھوٹ ہے!!

آہ، سچ تو یہ ہے کہ آنکھیں تو وہی تھیں، جن سے سب کچھ پڑھا اور پڑھا دیا جس سے متخیلہ سرشارِ لذّت ہے، اور وہ وہی آنکھیں ہیں جن کا ذکر میرے واسطے اب بھی ایک مستقل کیف اپنے اندر پنہاں رکھتا ہے!! آہ مگر؟

نورجہاں کا شکار

(۱)

"عورت کی دنیا" پر اس وقت تک جن لطیف احساسات کی بحث ہوئی ہے، اور ادبِ اردو میں اِس صنف کے متعلق بہتات کے ساتھ جس خاص قسم کے ذخیرۂ معلومات کا اضافہ ہوا ہے اُس کا اثر یہ ہے کہ عورت ہمارے ذہنوں میں یکسر لوچ، لچک، اور اک جھجک ہے، وہ صرف لجا جانے، اڑ جانے، روٹھ جانے، اور جلد جلد بگڑ جانے ہنس جانے کے مترادف ہے، وہ تمامہ رنگ، ریشم، راحت کی خواہشوں کا خلاصہ اور شعلہ کا سا ارتعاش، زود رنجی کا اشتعال اور پارہ کا اضطراب ہے، محنتِ جسمانی سے جی چرانے والی، محبت پر جان چھڑکنے والی، اور مآل اندیشیوں سے بے پروا اک ہستی قرار دی گئی ہے۔ اور صرف خلوت کی زینتیں اس سے وابستہ ہو سکی ہیں۔ مرد کے متمرد انصاف نے اِس جنسِ محترم کی شخصیت پر اگر بحث کی ہے تو زیادہ سے زیادہ یہ کہ ناز، انداز، کرشمہ، عشوہ، غمزہ اور شوخی کا اس کو بدرجۂ اتم مظہر قرار دیا ہے۔

یورپ کے علمائے نفسیات نے، عزتِ نسوانی کے ادعا کے ساتھ


نور جہاں گرچہ بظاہر زن است
در صفِ مرداں زن شیر افگن است

چند قدم آگے بڑھائے اور بزعم خود بڑی حقیقت کو بے نقاب کر دیا، کہ جمادات جن کے ٹھوس اور بوجھل جسم احساس و حرکت سے محروم و معذور ہیں وہ بھی حسن نسوانی کی دعوتِ گداز پر اعترافِ قبول کے سوا چارہ نہیں رکھتے، اور عورت کا جمال اُن کے لئے بھی موثر ہے۔

فرانس تاثیر حسن نسوانی کے کرشمے عالمِ نباتات میں دریافت کرتا ہے۔ ایسے باغیچے اور صحنِ باغ جن کی نگہداشت اور آبیاری حسین اور جمیل ہاتھوں کے سپرد رہی ہے، ان باغوں کی شادابی اور شگفتگی ہمیشہ ایسے باغوں سے افضل رہی ہے، جن کو ضعیف اور معمّر عورتوں نے سینچا ہے!

تجویز ہو رہی ہے، اور تجربے کئے جا رہے ہیں، کہ مجنون اختلالِ حواس کے مریض اور رمیدہ خود دیوانے شفایاب ہو سکتے ہیں اور اُن کا علاج عفت مآب دوشیزگانِ جمال کے جلوہ ہائے سادہ سے مختلف اوقات میں اُن کو دو چار کر دینا ہے۔ بہت قوی امید کی جا رہی ہے کہ اضطراب اور التہاب وش امراض میں طمانیت جلوہ اور سکونِ جمال سے خاطر خواہ اثر و فائدہ حاصل ہو گا۔

بہت ممکن ہے تحقیقِ جرائم میں ایسی پیچیدگیاں جو خفیہ ارتکاب عمل میں لبسا اوقات دریافتِ حقیقت سے بالا رہتی ہیں، یا بعض ایسے مجرم جو پکڑے جانے پر بھی صحیح صحیح حالات کسی دھمکی اور تعزیر کے خوف سے بھی نہیں بتاتے، ان میں حسن محض کی کارفرمائیاں مشکلیں آسان کر دے، اس لئے

کہ حسن مکمل و پاک کے حضور، افتراپردازیوں اور دروغ بافیوں کی پیری نہیں چلتی، کسی حسین لب کا یہ کہہ دینا، کہ "بس سچ کہہ دو" ہزار تعزیر سے افضل ہے اور پھر مرد کو جرات نہیں کہ اُس سے جھوٹ بولا جا سکے۔ پس محکمہ تفتیشِ جرائم کے سررشتے کے اعلیٰ درجے حسین تر افرادِ نسوانی کے سپرد ہونے پر یہ قضایا مٹ جائیں گے۔

المختصر جنسِ قوی نے عورت کی دنیا کے بظاہر بے حد دلچسپ پہلو کو اب تک لیا ہے اور اُس پر روز روز نیئے نیئے انکشافاتِ نفسی پیش کرتا رہا ہے مگر آپ باور فرمائیے یہ تمام مباحث بالکل سطحی، اور بہت ہی معمولی حیثیت رکھتے ہیں، ہمارا دعویٰ ہے کہ آگے ابھی اور زمانہ آہستہ آہستہ اس احساس پر مجبور ہوگا کہ

"عورت ابھی نہیں جواب تک سمجھی گئی ہے بلکہ عورت ابھی وہ کچھ باقی ہے جو تنہا مرد بھی نہیں ہے!"

آپ اب بہک جانے، اور سہم جانے کے عنوانات سے علیحدہ بھی تو کبھی کسی پیکرِ نسوانی کو سمجھنے کی کوشش فرمائیے، دنیا نے اس کی بے مثل استقامت اور لاجواب شجاعت پر توجہ ہی نہیں کی ہے!

کسی فردِ نسوانی کا بمجرد شیر کا شکار آج بہت کچھ مستبعد ہے، مگر اس سے زیادہ اس کی فطری شجاعت کا وہ پہلو ہے جب کہ وہ جنسِ قوی کے اِک جذبۂ ناپاک اور اُس کی خوئے درندگی اور بہیمیت کا مقابلہ کرتی ہے، حریف ہر چند

سامانِ تحریص و تشویق سے آراستہ ہوتا ہے، مگر یہ نحیف و زار ہستی، بیچارگی و گریہ کی مورت، یہ سادگی و معصومیّت کا پتلا، یہی بہک جانے، جھجک جانے کا مجسمہ ہے کہ اُس کے مقابلہ میں فتحمند ہوتا ہے۔ مجروح حریف تمام بھبکیاں ختم کردیتا ہے لیکن یہ منفعل خلقت یہی ہیئتِ جلوہ ریز اُس وقت بلا کی جری، نڈر اور کوہِ آتش فشاں ثابت ہوتی ہے۔

عورت کی فطرت اور تخلیق، نزاکت اور جمال ہی کی حامل نہیں ہے بلکہ اُس کو عزم اور ارادے کی بھی ایسی بلندی ودیعت ہوئی ہے جس کی مثال مردوں میں کمیاب ہے۔ آج افسوس اس کا نہیں ہے کہ ہم میں کوئی نور جہاں پیدا نہیں ہوتی، بلکہ ماتم اس کا ہے کہ اب فطرت نسوانی اس نوع کی تربیت سے یکسر محروم ہے۔

(۲)

کون جانتا تھا کہ میرزا غیاث وطن میں اپنی دولت و حشمت گنوا کے اپنی امارت و فراغت کھو کے، ایسے تباہ حال اور پریشان جو ہندوستان کی طرف چلے ہیں، تو کل کیا ہوگا؟

کسے خبر تھی، بے سروسامان قافلہ میں جنگل کی ویرانی میں، نحوست و مصیبت کے اندھیرے میں تقدیر پڑی جگمگا رہی ہے۔

کس کو علم تھا کہ لق و دق صحرا میں یہ نوزائیدہ اختر کل ہندوستان کے

آسمانِ اقبال پر قمرِ چہاردہم بن کر دمکنے والا ہے، مہرالنسا کے نصیب کے شاہباز نے اپنی پہلی ہی پرواز میں، ہند کی حکومت کی سنہری چڑیا شکار کی تھی۔

تاریخی حیثیت سے اس واقعہ کی کچھ سند نہ ہو، مگر امکانِ وقوع پر کس قدر پیار آتا ہے کہ قدرت نے اُس جمیل کھلونے کو رعنائی و ناز کے کن جلووں سے برق پارہ بنا دیا تھا۔ وہ وقت جب کہ شہزادہ سلیم نے اپنے کبوتر اُس کو امانت سونپے ہو نگے اُن میں سے اِک اڑ گیا، اور جب شہزادہ نے آ کر پوچھا ہمارا کبوتر کیا ہؤا؟ تو اُس نے ڈر کر کہا، شہزادہٗ عالم! وہ تو اُڑ گیا"———— ہائیں کیونکر؟ دوسرے ہاتھ کی مٹھی کو ڈھیلا چھوڑ دیا اور دوسرا کبوتر بھی اڑ گیا، اور کہا حضور! یوں .... یہ سادگی اور بھول پن کی وہ ادا تھی، جس نے سلیم کے دل کو پہلے شکار کیا ہوگا۔

سلسلۂ احوال کی دوسری کڑیوں کو چھوڑ دیجئے اور علی قلی کے ساتھ اُس کے پیوند کے فسانے سے گذر جائیے، مگر جب بردوان میں قطب الدین کوکہ حاکمِ بنگال کے ہاتھوں علی قلی کے نام فرمان جہانگیری پہنچا اور علی قلی اپنی گستاخی و بدعنوانی سے قطب الدین کوکہ کے ہمراہیوں کے ہاتھوں قتل ہو گیا تو مہرالنسا اُس کی بچّی، سرکاری مجرم اور تاج کے باغی لوگوں کی حیثیت سے دہلی بھجوائے گئے تو اُس کا کیا حال ہؤا ہوگا۔ چار برس تک قلعہ کے اندر مختصر سی چار دیواری میں قید رہی، چودہ آنہ روز مصارف کے لئے تھے اور دو خواصیں خدمت کے لئے تھیں اور بس!

آخر تنہائی کی بے کسی اور عتاب کی سزا سے تنگ آ کر اُس نے خود اپنے ہاتھ سے جہانگیر کے حضور میں اک عرضی گذرانی جس میں اقبال کی ہنرمندیوں نے جلوہ چھڑکا اور عبارت کے انداز، اسلوب کے کرشموں، طرزِ ادا کے جادوؤں اور اظہارِ حال کی سحر آفرینیوں نے بگڑی بازی بنا دی، سلیم جو جہانگیر ہو چکا تھا، اُس کا دل احساس کے نشتر سے زخمی ہو گیا، اور آخرش یہ وہی مہرالنسا تھی جو نور جہاں بیگم بنی، مجرمانہ حیثیت سے بردوان سے آئی، اور آقایانہ انداز سے عزت کی وارث ہوئی۔ جو تاج کے باغی کنبے کی طرح آئی، اور تخت و تاج پر جلوہ فرما ہوئی۔ اور اُس کے کنبے نے حکومتیں کیں۔ جس کے ہاتھ دولت و مال تو کیا، سیدھی الٹی تدبیر سے بھی عاجز تھے۔ انہیں ہاتھوں میں جہانگیر نے ہندوستان کی عنان حکومت سونپی، اور کہا:۔

"من سلطنت را بنور جہاں بیگم ارزاں داشتم و بجز یک سیر شراب و نیم سیر گوشت مرا ہیچ نمے باید" (توزک)

یہ تھا شکار، جو نور جہاں نے درحقیقت کیا،

پھر یہ تمام داستان تھی، اُس فردِ پیشۂ رعنائی و اقبال کی خلوت کی، جس کے جمالِ صورت اور حسنِ سیرت نے تاریخ میں ایک بے مثل اثر چھوڑا ہے، اب غالباً تصویر کے متعلق صحیح طور پر اُس حوصلہ کی بھی کچھ تفصیل چاہیے۔ جس سے اُس کا شیر کا شکار کرنا معلوم ہو سکے،

متھرا میں جہانگیر اک مرتبہ کسی درویش کی زیارت کو گیا، اور زیارت سے مشرف ہو کر اپنے خیمہ میں متمکن تھا کہ بلم برداروں نے خبر دی، کہ قریب کے جنگل میں شیر ہے، جہانگیر بہت للچایا مگر شکار کا عہد کر چکا تھا، خاموش ہو رہا، نور جہاں نے عرض کیا اگر اجازت ہو تو میں شکار کر لاؤں، چونکہ نور جہاں بیگم کو شیر کے شکار کا بہت اشتیاق تھا، اصرار کیا اور جہانگیر نے اجازت دے دی۔ پہلے تجویز نور جہاں کی یہ تھی کہ گھوڑے پر سوار ہو کر تلوار سے شکار کھیلے، مگر جہانگیر نے تجویز کیا، ہاتھی پر سوار ہو کر بندوق سے شکار کیا جائے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

ہمراہیوں میں ایک شخص میرزا رستم نامی نہایت عمدہ قدر انداز تھا۔ اک ہاتھی پر نور جہاں اور دوسرے پر جہانگیر اور میرزا رستم سوار ہوئے، جس ہاتھی پر نور جہاں تھی، وہ شیر کے شکار کے لئے سدھا ہوا نہ تھا، شیر کی بو پا کر بہت پریشان اور بے چین ہو رہا تھا۔

غرض شیر جھاڑی سے جھپٹا اور نہایت خونخواری کے ساتھ گرجتا ہوا نکلا، جہانگیر کے حکم سے میرزا رستم نے بندوق ماری اُن کا ہاتھی بھی قرار نہ لیتا تھا، نشانہ خطا ہوا۔ دوسری چلائی، بے کار گئی۔ تیسری گولی سر کی وہ بھی جھوٹی ہوئی۔ تب نور جہاں نے آواز دی "بس میرزا اب تم خاموش ہو جاؤ، مجھے اپنی قسمت آزمانے دو" یہ کہہ کر نور جہاں نے شیر کو للکارا اور مہاوت سے کہا، ہاتھی کو آگے بڑھا دو۔ مہاوت نے ہاتھی کی آنکھوں میں آنکس ڈال کر آگے بڑھایا۔ ادھر شیر گرجتا ہوا

قریب پہنچ گیا، اور قریب تھا کہ ایک ہی جست میں نورجہاں پر آپڑے۔ کہ نورجہاں نے نہایت سچی ٹیپ کی، گولی ٹھیک لگی اور شیر گٹی فٹ پلٹ کے اُدھر جا پڑا اور ایک ہی گولی میں ٹھنڈا ہو گیا۔

فلک گفت احسن ملک گفت زہ

اِس نشانہ و قدر اندازی کا تذکرہ جہانگیر خود توزک میں لکھتا ہے، کہ

بنورجہاں بیگم فرمودم کہ بہ بندوق بیندازید بآنکہ فیل از بوئے شیر قرار دادہ نمی گیرد و پیوستہ در حرکت است و از بالائے عماری تفنگ بے خطا انداختن کاریست عظیم مشکل، چنانچہ میرزا رستم کہ در فنِ بندوق اندازی بعد از من دوئی نیست مکرر چناں شدہ کہ سہ تفنگ و چہار تفنگ از بالائے فیل خطا کردہ۔ نورجہاں بیگم اول چناں زد کہ بہ ہماں زخم تمام شد

(توزک)

میرا سفر

جاڑے کا موسم اچھّی خاصی سردی علی گڈھ سے گلگتہ میل میں دہلی آنے کے لئے دو بجے رات کو میں اپنے اوورکوٹ میں ملفوف اسٹیشن پر پہنچا ٹکٹ خریدا چونکہ مجھے کسی قدر دیر ہو گئی تھی جوں ہی پلیٹ فارم پر آیا گاڑی چھوٹ گئی آہستہ آہستہ رواں ہو چکی تھی ——— سفر کے عزائم شکن توحش اور بہت ہو گئے، لیکن ایسے مواقع مجھے کبھی پیش نہ آئے۔ میرے واسطے تو یہ پہلا موقع تھا ضبطِ اوقات اور حفظِ مراحل کے بارۂ خاص میں، مَیں فرنگی آب، اوصاف سے متصف نہیں، ہیں تو جب کبھی کہیں جانے کا ارادہ کرتا ہُوں، تو جانے کے دن سے کئی روز پہلے مجھ پر سفر سوار ہو جاتا ہے۔ اور علین جانے کے دن وقت سے گھنٹوں پہلے جا بیٹھتا ہوں" ——— یا آج دیر ہو گئی۔

بہرحال میں نے اپنے مضطرب دل کو سنبھالا، اور اپنی متجسس نگاہوں سے چلتی ہوئی گاڑی کے ایک درجہ پر انٹر میڈیٹ کی علامات کو پڑھا ——— میں نہایت بے تابی سے بڑھا، اور دوڑ بھاگ کر گاڑی پر چڑھ گیا ———"

بڑی پریشانی اُٹھائی مگر خدا کا شکر کیا کہ خلافِ معمول یہ درجہ بالکل خالی ملا، ایک مَیں مسافر تھا اور ایک سامنے والی سیٹ پر کوئی اور شخص ———"

میں نے سیکنڈ کلاس میں بھی بارہا سفر کیا ہے، بہت صاف ستھری گاڑی ہوتی ہے۔ بہت آرام ملتا ہے۔ مگر میں نزاکتِ مذاق اور ذوقِ طبیعت کو کیا کروں، اتفاقات کی اُن شکلوں سے مجھے تو وحشت ہی ہوتی ہے، جب کبھی کوئی کاسمٹک سے مونچھیں فلک نما بنائے اور منہ میں ایک لحیم شحیم سگار دبائے بصد نخوت وغرور میرے سامنے متمکن ہو ـــــــــ،

اب اگر خاموش بیٹھئے تو وحشت ستاتی ہے، دل گھبراتا ہے، اور اگر کچھ گفتگو ہو تو "مسٹر تم کہاں جاتے گا" کا پہلا ہی خطاب ملوکانہ اپنی سنگین و سخت ضربِ اولین سے پندارِ تعزز کے پرزے پرزے اُڑا دیتا ہے ـــــــــ"

مَیں خوش تھا کہ اس وقت میرا شریکِ سفر میرے ذوق کی مجروحی کا باعث نہ تھا، تاہم یہ تکلیف دہ امر ضرور تھا کہ وہ سوتا تھا، اور ایک پیازی رنگ کے دوشالہ میں سردی محسوس کئے ہوئے اور پائین میں ایک چادر اساڈالے بے حد سمٹا سمٹایا ہوا لیٹا تھا ـــــــ"

ہم طبائع کی لطافتوں کا اُن کے انتخابِ رنگ و بو اور تہذیبِ ملبوسات سے بہت کچھ اندازہ کر لے سکتے ہیں۔ کافوری، چمپئی، پیازی بھی رنگ ہیں اور عنابی، نیلا، سیاہ بھی رنگ ہیں۔ لیکن اُن کی پسندیدگیاں ایک معیارِ ادبی سے متعلق ہیں۔ آپ بھی کسی محبوب فرصت میں مسئلۂ انتخابِ لون پر غور فرما سکتے ہیں۔ اور پھر یہ میرا ذمہ ہے کہ آپ کی فکر و تلاش کا ایک حصہ مختلف قسم

کی رنگینیوں سے معمور نہ ہو جائے۔ اور تو سہی جو آپ اپنی معلومات سے خود متلذذ نہ ہوں ——

مَیں نے اتنی دیر میں اپنے رفیق کے سلیقے، صحتِ مذاق، نفاستِ طبع اور پاکیزگیٔ ذوق کے متعلق دفتر کے دفتر ذہن میں طے کر لئے۔

طبیعت کو کیا کروں، بہت کم بولتا ہوں، بسا اوقات نہیں بولتا، چپ رہتا ہوں، مگر تحقیق یا قیاس سے جب یہ معلوم ہو جائے کہ اُس شخص کی طبیعت پُر مذاق ہے یا قدرت نے اُس کو ذوقِ صحیح و سلیم عطا کیا ہے۔ تو پھر میری مجبوریٔ ادب تماشا ہے۔ مَیں اُس کا پرستار بن جاتا ہُوں، اور چاہتا ہُوں کہ یہ اب میری ہی سنے جائے"۔

مجھے حدس و گمان سے، اک غیر محسوس طریقہ پر، یہ یقین سا ہو گیا۔ کہ میرا رفیقِ سفر بہترین مذاقِ ادب رکھتا ہے۔ میری آرزو تھی، کاش یہ جاگ اُٹھے، اور میں بقیہ ساری رات ادب و شعر گی پر لذت لطف آرائیوں میں کاٹ دوں —— وہ سوتا رہا اور میں انہیں تخیلات میں مبتلا!!

ہر چند کہ بہ گمانِ غیر اس تھوڑی سی دیر کے اک مجہول الاحوال شخص سے مجھے بظاہر کوئی وجہ، انبساط و اتحاد کی نہ تھی، لیکن باطناً کوئی رنج و ملال کا اور پرہیز و اجتناب کا بھی سبب نہ تھا —— "

سفر کی ساری رات میں اور وہ لطفِ خوابیدہ ایک ساتھ رہے اور خیال

مذاق کا ایک ایسا اتحاد رہا جو ہزاروں پر امید تخیلات کی تخلیق کا باعث تھا۔"
—— سمجھتا رہا کہ اِس لطیف الجثہ، متناسب الاعضاء نوجوان، خدا جانے میں نے نوجوان کیونکر سمجھ لیا؟ معلوم یہ ہوتا ہے کہ ہماری فطرت ہر پرشباب شے کیلئے حریص ہے۔ جوان رہنے کی آرزو مند ہے، اور جوان منظر دیکھنے کی بغایت متمنی، ہاں تو میں یہ سمجھتا رہا کہ اس لطیف الجثہ متناسب الاعضاء نوجوان ہمسفر سے یہ جب بیدار ہوگا ملاقات کروں گا، وہ مجھے نہایت ہی بامذاق دوست پائے گا۔ اور میں اس کو اپنی توقعات کے موافق پاؤں گا —— لیکن آہ جب علی الصباح وہ بیدار ہوا، تو دفعتاً ہزاروں خاموش مغارفت کے پہلو نکل آئے۔

میں نے اُسے دیکھا —— ! اُس نے مجھے دیکھا
اور اُس کے منہ سے بے اختیار ایک چیخ کی شکل میں نکلا: "ہائیں"؟

خون کے دوران نے میرے قلب میں غیر معمولی سرعت اختیار کر لی اور عنوان کے اخلاقِ تفہیم نے دماغ میں ایک تعطل کی سی کیفیت پیدا کر دی! میرے سارے جسم میں سنسناہٹ پیدا ہو گئی۔ میرے ہاتھ پیر میں بختستانِ زمہریر پیدا ہو گیا۔ اور میں کامل ترین اختلالِ حواس کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ اپنا ہینڈ بیگ ہاتھ میں لے فوراً دروازے سے باہر کو دا دہلی اسٹیشن آگیا تھا۔ گاڑی پلیٹ فارم پر ابھی چل رہی تھی، باہر آکر پھر میں نے سعی رفع ندامت کے لئے امتیاز نشست کو پڑھا تو دیکھا کہ اُس پر "فور لیڈیز کمپارٹ" لکھا ہے، اُف!

حریصِ رقص

میرے احباب رقص و سرود کی صحبتیں جب مرتب کرتے ہیں، مجھے

ضرور بلاتے ہیں!"

مجھے موسیقی میں کوئی دخل ہے؟ ———— نہیں!،

مجھے گانے والے طبقہ سے کوئی خاص دلچسپی ہے ———— نہیں!،

پھر؟ مجھے معلوم نہیں، کیوں؟ ———— "مگر میرے احباب رقص و سرود کی

صحبتیں جب مرتب کرتے ہیں، مجھے ضرور بلاتے ہیں"

خدا کی اُس نازک اور جمیل مخلوق کے ساتھ جس کو عورت کہتے ہیں مجھے

جو اک خاص قسم کی دلبستگی ہے، کیا اُسے وہ جانتے ہیں؟ ———— نہیں!

ساری بزم میرے بے تکلّف اور دل کھلے دوستوں سے بھری ہوتی ہے

مگر میں دل سے کسی کی جانب ملتفت نہیں ہوتا۔ کیوں، جی یہی چاہتا ہے وہ مجھے

دیکھے اور دیکھتی رہے، کوشش یہ ہوتی ہے وہ مجھ پر مائل ہو جائے۔ ہائے مطربہ کا

عدم التفات بھی میرے واسطے پندارِ محبت ہے۔ کیا میری اس بدگمانی کو جو

مجھے خود اپنی نسبت پیدا ہو گئی ہے ———— وہ سمجھ گئے ہیں ———— نہیں!!،

کریم الدین قوال، نظام اور اصول سے گایا، سب نے تعریف کی، سر ہلائے

——— مگر مجھے لُطف نہ آیا۔

گانا کچا ہو یا پکا، اُس کے گلے میں کن اور مرکیاں ہوں یا نہ ہوں، اُس کا لحن مترنم ہو یا نہ ہو، وہ موسیقی کے دُل ٹل جانے یا نہ جانے، مجھ کو اس سے کچھ غرض نہیں، میں تو یہ جانتا ہوں کہ آواز کو موسیقی کے ساتھ ایک گونہ ربط ہو، اور گانے والے کی جگہ ہو گانے والی، بس پھر ہمارے واسطے سب کچھ ہے۔

شعر و موسیقی کا ایسا پُرکیف اتحاد، میرے حقیقی اضطراب و التہاب کیلئے کافی ہے، ——— کیا اس بات کو وہ جان گئے ہیں؟ ——— نہیں!

اچھا، کچھ اور ہو گا ——— میرے احباب رقص و سرود کی صحبتیں جب مرتب کرتے ہیں، مجھے ضرور بلاتے ہیں!،،

”آج قمر منزل میں شب کو جلسہ ہے، آپ ضرور تشریف لائیے گا۔“

میں بھی ہر ایسی دعوت کا اپنے نپاکِ روح سے خیر مقدم کرتا ہوں اور آنے والی شب کا وہ جلسہ، میرے واسطے اپنے اندر ایسی جاذبیت، رکھتا ہے کہ میرا وہ سارا دن کچھ عجیب بے قراریوں میں کٹتا ہے، جلدی جلدی کام کرتا ہوں، بھولتا ہوں، چوک جاتا ہوں، ضبط کرتا ہوں جھنجھلاتا ہوں، کہ میرے سارے کام اس روز غلطیوں اور خرابیوں سے معمور ہوتے ہیں، جوں توں کر کے شام ہوتی ہے۔ بصد مشکل اپنی پُرکشمکش مصروفیتوں سے چھٹکارا پاتا ہوں، دوڑ، بھاگ کر مکان پہنچا، سنبھل سنبھل کے بات کرتا ہوں، مگر بدحواسیوں کا شمار نہیں، چونکہ میری گذشتہ حیاتِ

تعیش اپنی پرتنوع رنگینیوں کے باعث، ابھی تک اربابِ موعظت میں مطعون ہے، بارہا، میں مسجد میں نماز پڑھنے کہہ کر گیا ہوں، مگر بدگمانی اہلِ دل کی میرے ساتھ رہی، میری توبہ کی وقعت کو سربلندی حاصل نہیں، گھنٹہ بھر معمول سے ادھر اُدھر مصروف ہوگیا تو تلاش شروع ہو جاتی، اور آبادی کا وہ حصہ نقطۂ تجسس ٹھہرتا ہے جہاں کا نام لیتے ہوئے متین حضرات منفعل ہو جاتے ہیں۔"

غرض ——— یہ کسی مشاعرہ، یا مشہور مقرر کی تقریر، اور ڈھب بنا تو کسی شہرۂ آفاق مولوی صاحب کے وعظ کا بہانہ بناتا ہوں، نرمی و ملاطفت مسکینی و عاجزی بہر طور کسی طرح سے اجازت لے لیتا ہوں، گھر سے باہر نکلتا ہوں جانتا ہوں کہ ابھی مقررہ وقت میں دو گھنٹے باقی ہیں مگر اضطراب کی نہ پوچھئے ملامت کرتا ہوں، کہ فضیحت ہوگی، شرم دلاتا ہوں کہ پہلے سے جا بیٹھنا ذلت ہے۔ مگر کچھ بھی ہو، ہوا ہمیشہ یہی ———"

بارہا میں نے عمداً دیر کی جان بوجھ کر وقت کو کھینچا، تعویق کی، اور سمجھا کہ اب سب پہنچ گئے ہوں گے ——— تمام احباب میرا خیر مقدم کہیں گے، جی ہی جی میں میں اپنی پذیرائی سے خوش ہوں گا۔ وہ کہیں گے آپ نے بہت دیر کی۔ میں کہوں گا واقعی، میں بے حد شرمندہ ہوں، آپ کے لطف میں میرے انتظار کی خلش سے بدمزگی رہی۔ کیا کروں مصروفیت نے صحیح وقت نہ معلوم ہونے دیا،" وہ کہیں گے، دیکھئے آئندہ خیال رکھئے گا، میں کہوں گا،

جی ـــــــ ضرور!

مگر ہائے رے عجلت و اضطراب ہیں جب گیا سب سے قبل ہیں جب پہنچا سب سے پہلے ـــــــ یا تو فرش ابھی بچھا نہ ہو ـــــــ یا گاؤ تکیے درست کئے جا رہے ہوں، یا پھر سب کچھ ہو گیا ہو تو ابھی روشنی نہ ہوئی ہو۔"

جو آتا ہے، کہتا ہے ـــــــ آہا؟ آپ آ گئے، مَیں کہتا ہُوں، جی!

وہ کہتا ہے، کیا مُجھے دیر ہُوئی ہے ـــــــ؟

مَیں کہتا ہُوں۔ جی نہیں، مَیں پہلے حاضر ہُوا ہُوں!

وہ کہتا ہے۔ اِس قدر پہلے، خیر و عافیت؟

مَیں کہتا ہُوں، ہاں ـــــــ مگر اس لئے کہ گذشتہ صحبت میں کچھ نشستوں کی ترتیب درست نہ تھی، اور روشنی کا بھی نزل و محل کچھ ٹھیک نہ تھا۔ دیکھیئے نا، جہاں مغنیہ محوِ رقص و نغمہ تھی، وہاں ہم ہوتے، اور جہاں ہم تھے وہاں روشنی، اور جہاں روشنی تھی وہاں مغنیہ! اور وسطِ بزم کو بساطِ رقص بنانا چاہیئے تھا۔"

سمجھ لیجئے یہ ترتیب اچھّی رہی نا؟

اِس پر ایک فرمائشی قہقہہ بلند ہوا۔ اور مَیں: اِس خندۂ استہزا کو اپنے مشورہ کے افتخارِ پذیرائی پر محمول کر کے، بظاہر خوش ہوا، مگر حقیقت میں منفعل!

میں نے آج تک تو اِن پر، احباب پر، اس عجلت کی علّت کو ـــــ
کھلنے نہیں دیا، اور انھوں نے بھی سوائے اسکے کہ بزم میں ہمیشہ سب سے پہلے مجھے موجود دیکھ کر ہنس دیئے ہوں،" اور کچھ نہیں کہا مگر کب تک؟ ـــــــ
کبھی تک!

کیا ہوگا؟ کچھ بھی ہو۔ میرے لئے یہ حسن پذیرائی، یہ لطف و تعزز کیا کچھ کم ہے کہ ـــــ میرے احباب، رقص و سرود کی صحبتیں جب مرتّب کرتے ہیں، مجھے ضرور بلاتے ہیں!"

تدبیرِ منزل

نسائیات کا اک وہ دلکش موضوع، جس کو "تدبیرِ منزل" کہتے ہیں اپنے متعلقات کی دلچسپیوں کے اعتبار سے اِس درجہ جاذبِ ذوق ونظر ہے کہ علمی دنیا نے ترقی تمدّن کے ہر دور میں مختلف حیلوں اور عنوانوں سے اس پر بحث کی ہے اور اِس حقیقت کو تسلیم کیا ہے کہ "امورِ خانہ داری" میں عورت کی جد وجہد مرد کے مقابلہ میں بہت معقول اور ممتاز ہے، ایسی اختراعات جن کا علاقہ ہماری معیشتِ منزلی سے ہے اِسی کی لطافتِ دماغ کی سعی ہیں اور ایسی ایجادات جو تہذیبِ معاشرت میں آج نمایاں نظر آتی ہیں اُن کا بھی اکثر حصہ اِسی کی جودت و ذہانت کا کرشمہ ہے۔ خانہ داری کی تدابیر میں اُس کے خیال کی وسعت لاتتناہی ہے اور اُس کی تفصیل ــــــ"

میاں ـــــــ میاں مٹکا آپ ہی آپ ٹوٹ گیا، تمام پانی بہ گیا اس کے پاس جو ٹھلیا رکھی تھی وہ بھی پھوٹ گئی ـــــ اب تو نل بھی بند ہوگئے، پانی ـــــ"

نامراد کیا بک رہا ہے، دفع بھی ہو یہاں سے ـــــــــ"

خدا جانے میں کیا لکھنے والا تھا، ـــــــــ اِس کی تفصیل ہر گھر کا
حسنِ انتظام پیش کر سکتا ہے ـــــــــ ہرگز نہیں، اس درجہ بھونڈی اور
سطحی بات میں لکھنے والا نہ تھا ـــــــــ اس کی تفصیل کا علم محض اُس کے
محبوبات میں ـــــــــ "یہ بھی نہیں ـــــــــ اِس کی تفصیل کے لئے تمدن کی
تاریخ کا ہر صفحہ اپنے آپ کو پیش کرے گا ـــــــــ"

انسانی حیات کا ہر شعبہ عورت کی خوئے تدبیر اور جودتِ اہتمام سے معمور
ہے، یوں تو عورت اپنے ہر عہد میں مرد کے لئے رفیق ہے، مگر اس کے حسنِ تخلیق
کے نمایاں ہونے کا زمانہ علی الخصوص تزویج سے شروع ہوتا ہے، اس کی زندگی
کے مہتم بالشان عنوانات، محبت و رفاقت اور تربیتِ اولاد ہیں۔ اور اُن کی
شرح و وضاحت اسی عہد سے رونق پاتی ہے۔ شوہر اور بچے اُس کے اعمالِ
رفق و انس کا ـــــــــ

ابا میاں دس بج گئے مجھے مدرسہ جانے کو دیر ہو رہی ہے، جو کتاب
رقیہ نے پھاڑ ڈالی، وہ آج بھی امّی نے منگوا کر نہ دی ـــــــــ مجھے مار
پڑے گی ـــــــــ امّی کہتی ہیں میں یہ پاپ کب تک" "اچھا آج بھی یوں
ہی چلے جاؤ کل بندوبست کر دیں گے"۔ سنا میاں اصغر" کیا لکھ رہا تھا شوہر اور
بچے اُس کے اعمالِ رفق و انس کا ـــــــــ اِک لفظ کے رہ جانے سے ساری
عبارت مہمل ہو گئی ـــــــــ بالکل دماغ میں نہیں رہا، اچھا غور ہوتے

ہیں یہی سہی ——————"

اِس کے حسیات کے لطائف اس کے اعضاو جوارح میں ایک رنگ بھر دیتے ہیں جو فسون کا سا اثر کرتے ہیں۔ وہ شوہر پرست ہوتی ہے اور پیکر وظیفۂ محبت اِس کی حیاتِ ازدواجی کا اختصار، اِس کے دل کی گرمی دوسروں کو راحت پہنچاتی ہے۔ اور اُس کے سینہ کی موجِ نفس دوسروں میں روحِ حیات پھونکنے والی، وہ اپنے گھر میں اِک ملکۂ ذی اقتدار سے کم نہیں۔ اس کی حکومت زمین کے فرسودہ قطعات پر نہیں بلکہ دل کی اقلیم پر ہوتی ہے، اُس کی فرمانروائی کے انداز، تلوار سے اقتدار قائم رکھنا، اور قوت سے اثر پیدا کرنا نہیں وہ اطاعت آمیز تحکم سے اور انکسار آمیز تجبر سے اِس مہم کو سر کرتی ہے اور مرد کبھی سرتابی نہیں کرتا ——— اور سرتابی نہ کرنا ہی مدارِ انتظام ہے۔

"میں پوچھتی ہوں، آج اندر بھی آؤ گے یا نہیں ——————" زنانہ مکان میں سے اِک آواز آئی ——————"

"آج اِس مکان میں بلائیں نازل ہو رہی ہیں، پہلے مٹکا آپ ہی آپ ٹوٹ گیا۔ کہہ لو گھڑونچی کے پائے بودے تھے ——— پھر ٹھلیا ٹوٹ پڑی اِس پر مٹکے کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑے آپڑے ہونگے۔ مگر یہ چھینکا چھت میں سے آپ ہی آپ کیوں آپڑا؟ وہاں کوئی گلہری بھی نہیں، اچھا اسکو بھی جانے دو، عظمت گوشت لایا میں نے چولہے کے آگے رکھا تھا اِک

ذرا کی ذرا ادھر چھینکے کو دیکھنے آئی کہ وہ غائب ہوگیا۔ کیا سیر بھر گوشت بلّی کھا گئی؟
نہیں تو اِس گھر سے باز آئی، تم کو مضمون لکھنے سے فرصت نہیں اور گھر
تمہاری توجہ بغیر چلے گا نہیں، اب بات بنے تو کیونکر، رات کو بارہ بج جائیں گھر میں
رات نہ آئے۔ دن کو گیارہ بج گئے ابھی صبح نہیں ہوئی۔ خدا جانے یہ مضمون لکھ لکھ کر
کیا قلعے سر کر لوگے۔ خدا ان نامراد ہاں میں ہاں ملانے والوں کا بھلا کرے تمہیں
کہیں کا نہ رکھا، آئے دوست کہیں کے، راتوں کو پان کھاتے کھاتے صبح کر دیں
حقّہ پیتے پیتے گھر کے دھوئیں اڑا دیں، اُن سے کوئی پُوچھے کمبختو! یہ مضمون کیا
تمہیں خدا کے ہاں بخشوانے جائیں گے۔ قہقہے اڑنے شروع ہوئے تو گھر بھر سر
پر اُٹھا لیا خدا کی سنوار، گھر میں فاقہ باہر اکبری دربار!
مجھے میرے باپ کے ہاں بھیج دو، یہ گھر اور بچّے تم خود سنبھالو، وہ مضمون
لکھے اب اس لکھّے کو بھی لکھو، یہ زمانے بھر کے اخبار، رسالے کیا اور کسی کے ہاں
نہیں جاتے۔ صبح کو ناشدنی ڈاکیہ قسمت کے چھپے ہوئے لکھے کو دے جاتا ہے اور
یہ دن بھر پڑھتے رہتے ہیں ——— جب سُنو "خیالستان" کا اصرار تھا، "یارانِ قدیم"
کا "انتخاب" کا، اِس کا اُس کا حکم تھا اِس لئے لکھا ——— خدا کے لئے مجھے اتنا
تو بتا دو، اِن رسالوں کے جو لوگ اڈیٹر ہیں اُن کی شادیاں بھی ہوئی ہیں یا
نہیں ——— "مانا مضمون لکھنا اچھّی بات ہے، مگر پھر ہم کہاں جائیں ———"
اِن روحانی اذیتوں کے ساتھ جو ہندوستان میں ادیب کی زندگی کیلئے

فقدانِ تعلیم و تربیتِ دماغ نسوانی سے پیدا ہیں۔ یہ کہاں ممکن ہے کہ وہ تدبیرِ منزل پر اک مقالہ دلکش سپردِ خامہ کر سکے؟ اس سے بحث نہیں صحتِ حالات اور امرِ واقعہ کیا ہے، امکانِ وقوع کی وسعت سلامت چاہیئے۔" لکھوں گا۔ اور ضرور لکھوں گا——"

ہاں میں نے کیا لکھا تھا" مرد، سرتابی نہیں کرتا——اور سرتابی نہ کرنا ہی ممدِ انتظام ہے——" کیا یہ امرِ واقعہ نہیں کہ سرتابی نہ کرنا ہی ممدِ انتظام ہے——؟

ہر چند مضمون اپنی وسعت کے لحاظ سے کچھ اور چاہتا ہے۔ مگر مجھے اِس فقرہ پر وجد ہونے لگا کہ سرتابی نہ کرنا ہی ممدِ انتظام ہے"——اس لئے یہیں مضمون ختم کر دوں؟

میاں! بیگم کہتی ہیں اصغر کو بلا لو، وہ تختی لکھ رہے ہیں اور تمام فرش کو سیاہی سے خراب کر دیا ہے——"

"لاحول ولا قوۃ"

بس آخری فقرہ تدبیرِ منزل کا یہی ہے کہ

"سرتابی نہ کرنا ہی ممدِ انتظام ہے"

باسی ہار

"خدا ہی جانے کہ مجھے اس باسی ہار سے کیوں اِس قدر محبّت ہے؟"
ایک شادمان رات کی صبح کو، ہاں ایک ایسی صبح کو جس کی رات اپنی کیف
پرور مسرتوں کے لحاظ سے یادگارِ نشاط کہی جاسکتی ہے، میری رازدار کنیز نے
میری پلنگڑی کے سرہانے سے اٹھاکر، اُس کو، میرے چھوٹے کمرے کی اس کھونٹی
پر لٹکا دیا تھا جو ہمیشہ کسی کے صدر نشین ہوجانے پر اُس کی آنکھوں کے سامنے
رہے ——"

پھر اس سے کیا حاصل؟ یہ تو کوئی ایسی بات نہ ہوئی جس پر تعجب کیا جائے
یُوں بھی مُرجھائے ہوئے پھولوں کو کون نہیں ڈالتے ہیں، ذی شعور عورتیں ان کملائی
ہُوئی ہستیوں کا بہت لحاظ رکھتی ہیں۔ اور سہاگ کے باسی ہار کی رازدارانہ عزت
تو ہمیشہ محفوظ رکھی گئی ہے ———"میری کنیز نے بھی یُوں ہی، معمولی طور
پر، میرے ندیم عشرت کے اضمحلال سحری پر ترس کھایا، اور اسی نوع کی تعظیم
اس کے لئے جائز رکھی ———!"
آہستہ آہستہ اُس کے مرجھائے ہوئے پھول، بالکل خشک ہوگئے، اس کا

رنگین ڈورا گل چکا، اُس میں بوئے بوسیدگی بھی اب تو باقی نہ رہی اس کی پژمردہ ہیئت میں یُوں بھی اب کوئی حسن نہ رہا، یہ باصرہ عزیز، شادابیوں کا ماتم دار اچھا کب تک کھونٹی پر آویزاں رہے گا ———؟

ہاں کلیوں کا بلیغ تبسّم صرف قہقہہ ہوگیا، میں جانتی ہوں کہ اس میں اب مشامِ نزہت آرزو کے لئے کچھ بھی نہیں رہا۔ مجھے معلوم ہے کہ اب نگہہ شگفتہ ارمان کے لئے کس قدر افسردہ جراحتیں جمع ہوگئی ہیں؟

ہائے یہ بھی سچ ہے کہ اس خستہ نصیب کی اب اور زندگی کب تک —؟ مگر خدا ہی جانے کہ مجھے اس باسی ہار سے کیوں اس قدر محبت ہے؟!!

شبِ مہتاب کی اِک وہ حسین شام، جب کہ اپنی بھینی بھینی خوشبوؤں کو اپنے دامنِ لطافت کے طویل سلسلے میں چھپائے تو مجھ تک پہنچا، ہاں اُن ہاتھوں سے، جن کے عہد پر مجھے آج تک یقین ہے تو مجھ پر حلقۂ آغوش بن گیا تھا، اے رازدارِ نشاط، مجھے وہ ابھی تک یاد ہے ———"

تیری رعنائیوں کو کس طرح بھلا دوں؟ تیری رنگینیوں کو کیونکر فراموش کر دوں؟ محبت کی فضائے خاموش تیرے نغمہ ہائے یاسمیں سے معمور ہے!

رات کا پچھلا حصّہ، بیباک چاندنی، میرے شاداب پھولوں کے ہار کی نکہتِ عُریانی یہ کیا بھلا دینے کی چیز ہے؟

لطفِ اختلاط آہ اک خاص نوع کا تلذذ بن کے رہ گیا ہے۔ پھر اے یادگارِ

خلوت، اے ماجرا طراز ہمدم! میں اس آسانی کے ساتھ تجھے اپنے پاس سے جدا کردوں ——— ؟

سہیلیاں روز آتی ہیں، اور میرا باسی ہار اُن سے اک افسانۂ شادماں چھیڑ دیتا ہے۔ میری حالت متغیر ہو جاتی ہے۔ اور ادھر ہمجولیوں کی فقرہ بازی کا دروازہ کھل جاتا ہے،

شمشاد کہتی ہے۔ آخر بتاؤ تو نزہت اس چڑھاوے کے پوجا پے کی کب تک سیوا ہوگی ——— ؟

میں کیا کہتی تسنیم ادا، بولی " یہ افسردہ انجام بھی کیا یاد کریگا۔ اگر شادابیِ بہار میں گلے کا ہار رہا، تو اپنی خزاں نصیبی میں کھونٹی سے ہی ہمدوش رہے۔

" نہیں یہ بات نہیں، یہ سلسلۂ انتظار کی ایک دوسری کڑی ہے کہ پیوستہ ہونے کی امید پر الگ پڑی ہے،، شمشاد نے کہا ——— اور میں ہوں کہ اپنے باسی ہار کے عقدۂ حیرانی اور طلسمِ دلگیری پر خاموش بیٹھی سب کچھ سُن رہی ہوں۔ یہ کچھ مشکل نہیں کہ میں اسے پھکوا دوں، اور کوئی شک نہیں کہ اُس کی رسوا اندازیاں میرے حق میں خطرناک ثابت ہو رہی ہیں لیکن کیا کروں ؟ کیا کہوں ——— ؟"

خدا ہی جانے کہ مجھے اس باسی ہار سے کیوں اِس قدر محبت ہے ؟!"

باغوں میں پھول ابھی پیدا ہوتے ہیں، شہروں میں پھول کی منڈیاں ابھی قائم ہیں، بازاروں میں پھول والے ابھی آواز لگاتے پھرتے ہیں، چاندنی راتیں بھی ہوتی ہیں، اور میرے مکان کی شہ نشین بھی ابھی منہدم نہیں ہوگئی —— پھر؟ —— کیا ممکن نہیں ہے پھول والے سے ایک عمدہ سا ہار گندھوا کر منگالوں، پہن بھی لوں اور بالائے شہ نشین پر پلنگڑی بھی درست کردی جائے، اس پر سو جانے کی نیّت سے جا بھی لیٹوں —— مگر ہائے جن کے نفسِ گرم سے پھول کملا جائیں، جن سے ہار کی بہار اور بہ بس کے باسی کہلائے۔ اُن کو کہاں سے لاؤں، ؟

چاندنی رات کی فضا میری آنکھوں میں جن کی شرکت سے حسین معلوم ہو، اُنہیں کیونکر پیدا کروں، میری غمگین تنہائی جن کی موجودگی کی مسرت سے دور ہو، وہ بھی تو آئیں۔ میرے خواب جن سے شیریں ہوں وہ بھی تو ہوں، ورنہ یُوں تو اے بوقلموں حسرت یہ سب کچھ ہیچ ہے۔ جس کا جو جی چاہے کہے، میرے عہدِ رنگیں اور زمانۂ مسرّت کی داستان تو اسی عہد سے وابستہ ہے۔ اُس کا یہ عالمِ اضمحلال مجھے تو عزیز ہے۔ گو میرے واسطے اُس کی دیکھ بھال عنوانِ رسوائی ہی سہی، مگر اُس کی نگہداشت تسکینِ خاطر کا باعث بھی ہے —— بس؟ ؟

"خدا ہی جانے کہ مجھے اِس باسی ہار سے کیوں اس قدر محبت ہے؟ ؟"

فلسفۂ حسّیات

محبُوب! مجھ بدقسمت اور ہجراں نصیب کے محبوب اَنیری متشکل و متکلّم یاد آہ، وہ رازہائے سربستہ کی تفسیر، اور رنگیں خلوت ماجراء یاد، اپنی مکمل ترین لذتوں اور حشر عنوان رعنائیوں کے ساتھ میری روح کی انتہائی گہرائیوں میں متمکن ہے ——— موجود ہے؟

دنیا خارج میں اشیاء و اجساد کے موجود و محسوس ہونے کی بناپر تمیز و عدم تمیز کا حکم لگائے گی، وہ جانے، مگر میں تو تجھے اپنی لوحِ حسیات میں مرتسم پاتا ہوں اور اپنے دیدہ ہائے جذبات میں مرئی ———

دنیا کائنات کے سارے نقوش مٹادے، مگر غیر ممکن ہے کہ وہ میری باصرہ، سامعہ، شامہ، ذائقہ اور لامسہ کی اُن لذّتوں کو مجھ سے فراموش کرا سکے، جن سے کہ میری موجودہ حیاتِ محبّت و شعر، معمور و رنگین ہے۔

محبّت کا وہ، استوار، اور غیر متزلزل تسلط جو جانبین کے عمیق مگر خاموش ربطِ خاطر کو، دائم الحیات بنا گیا، جس کا بلیغ اثر ہمارے خروشِ زیست اور تہیدِ ابتہاج میں آج بھی لہریں لے رہا ہے، وہ شاہد ہے کہ میرا نظامِ حیات کن رشتوں

سے مربوط ہے مسلسل ہے!!

میرا سراپا تیری گذشتہ لطف فرمائیوں کی یاد اور اعادہ ہے اور میں ایک ایسا مجسمہ ہوں جس کو تو بھی ہیولائے آرزو کا مظہر اور خلاصہ کہہ دے گا۔

آہ! میری حسِّ باصرہ، تیری اُن مخمور کر دینے والی، رعنائیوں اور جمال آرائیوں کی تشنہ ہے جس سے پہلے میں بارہا لذت یاب رہا ہوں ——

آج میرا سامعہ پھر تیری صدائے لحن پرور اور آواز موسیقی نواز کی اُن شیرینیوں اور حلاوتوں کے لئے تڑپ رہا ہے جن کی سرشاریاں اب تک مجھے اپنے آپ میں ایک نشہ کی سی کیفیت محسوس کرا رہی ہیں ——

آہ وہ شمیم روح پرور، وہ نکہتِ عطر بیز! جس کی لطافت باریوں سے میری حسِ شامہ مست و کیف آلود ہے، آج پھر اس عطریت کے لئے اس تعطرِ خالص کی تشمیم کے لئے بیقرار ہے —— کیا اِس قربِ ترنم اور تراکم اتصال کی لذّت گیر کیفیت کو میری قوتِ لامسہ فراموش کر دے گی؟

آہ! نہیں —— نہیں، بلکہ نقوشِ تمنائے لطفِ دگر، داغِ حسرت بن کر نمایاں ہو گئے ہیں۔ اور خلوت کی ان متہیج عریانیوں نے مجھے جامہ دری تک پہنچا دیا ہے!

میں اپنے انشراحِ حسیات سے شرمندہ ہوں، اور تشہیرِ جذبات سے خجل ہیں نشر و اعباتِ قلب سے شرمار ہا ہوں، اور اعلان ہائے آرزو سے دل سے

پشیمان، خدا کی قسم میں یہی چاہتا ہوں کہ میرے حسیات ازآگاہ، جو الگ الگ، تنہا، شادکام لطف ہیں، اور ایک اچھوتی لذت سے ہر ایک جدا جدا، لذت یاب ہیں وہ محوِ حال رہیں اور ایک حس دوسری حس کی لذتوں سے خبردار نہ ہو! مگر کیا آپ یقین کریں گے کہ میں اپنی اس سعی ناکام سے متاسف ہوں؟

میں اپنے رازہائے لذات سرشت کے شغفِ اخفامیں بسا اوقات حسیات کی جائزہ خواہی پر اُتر آتا ہوں، میں نے بارہا باصرہ کی پرلطف لذتوں کو سامعہ سے علیحدہ رکھنا چاہا ہے، مگر سامعہ باصرہ کی مصروفیت نظارہ میں خود، اگر کبھی خالی نہیں رہا ہے تو میں سچ کہتا ہوں میں اس تفریق میں کبھی کامیاب نہیں ہوا ——

میں نے اگر کبھی سامعہ کے لذات باصرہ سے مخفی رکھنے کی کوشش کی ہے تو وہ بھی بے سود ثابت ہوئی ہے۔ خدا جانے باصرہ کیوں ایسی حالت میں تعدیل وتعلیل کے لئے آمادہ ہو جاتا ہے اور ایسے خالی اوقات اپنی خیال آفرینیوں اور تشکیل فرمائیوں سے ایک جلوہ گاہِ حسن اور تمثالِ ادب وشعر قائم کرلیتا ہے؟

آہ، میں نہ صرف باصرہ کے نتائج، سامعہ سے پوشیدہ رکھنے میں کامیاب رہا ہوں بلکہ سامعہ کی لذتیں شامہ میں تحلیل ہوگئی ہیں اور شامہ کے لطف بہ ذائقہ سے اجنبی نہ رکھ سکا، میں نے ذوق کی لذتیں اگر ذائقہ سے چھپائیں بھی کیا ہوا،

کچھ بھی نہیں، متہیج اثراتِ مالوف، لامسہ نے تحریکات مخفیہ کی زبانی داستانِ تلذذ بنا کر ذائقہ کو سنا دیئے۔

سچ تو یہ ہے میری حیاتِ محبّت ماجرا، آپس میں سعیٔ رازداری کے باوجود ایک دوسرے سے اجنبی اور مجہول الاحوال، نہیں۔ اور تیری محبت وعطایا کے لطافت ریز و الطاف بار، اثرات سے میرے جملہ محسوسات رنگین و مرہون ہیں ——— ؟

بسا اوقات میں تنہا اپنی خلوتِ خموش میں اپنے حسیاتِ رنگیں ومنقش کے اجزا رانبساط زاد کی شرح وترجمانی کرتے، کرتے ایسی حسین، اور واقعات کی ایسی جملہ پیچیدگیوں میں مبتلا ہو گیا ہوں، کہ پھر جذبات کا تلذذ، اور تخیلات کا ترنم اجزائے بحث کی تحلیل وترکیب اور تحصیل وتحویل کے لئے مجھ میں کوئی قوت باقی نہیں چھوڑتا۔ ایسی صُورت میں سوءِ تفہم یقینی اور تنقیصِ نتائج متحمل، لہذا مقصد پر پہنچے بغیر میں خیالی رنگینیوں میں بالکل غیر ارادی حالت میں گم ہو جاتا ہوں۔ ——— ؟

مجھ سے بارہا کہا گیا ہے کہ ایک صحیح الدماغ انسان کی مسندرک قوتیں دو قسم کی ہیں مدرک کلیات اور مدرک جذبات۔ مدرک کلیات تو عقل ہے ———

اس کے متعلق ہماری حالت معروف ہے۔ کہ طبیعت کی جنون زائیاں اور وحشت آرائیاں خوگر دانش ہیں یا توحش ونسیان!

رہی دوسری قوت جس کو مدرک جذبات کہتے ہیں، اس کی تختی و تسکمی
قوتیں دس ہیں۔ پانچ عالم ظاہر کی اور پانچ عالم باطن کی، میں حواس کی تفصیل و
اعادہ سے پریشان نہیں ہوتا بلکہ ازراہِ انکسار رکھ لیتا ہوں درست ہے، نظام
حواس برہم ہے، باطن کی انتشار زائیاں صحیح ہیں ——— ورنہ حقیقت یہ ہے
کہ میں حقائقِ طبیہ کا متبع و معترف نہیں ہوں، میں تو محاکات کا بندہ ہوں، مشاہدات
سے نتائج کا استخراج و انبساط ہو، یا حدس، و احساسات سے، مگر جو بات ہو،
ہو وہ دل لگتی۔ شاعر کی کیفیاتِ تصور کو منطقی، خارج میں موجود نہ پاکر باور نہیں کرتا،
کیا ضرور ہے، شاعر منطق کی موہوم دلیلوں پر اپنی یبوستِ فکر کا اعتراف، عمل
سے پیش کرے۔

دیکھئے سحاب مترشح سے جو سیال قطراتِ آب، زمین کی جانب، مائل ہوتے
ہیں، دیکھنے والے اُن کو خطوط کی شکل میں دیکھتے ہیں، اور یہ سب جانتے ہیں
کہ وہ خط نہیں، بلکہ قطرے ہوتے ہیں۔

اصول یہ ٹھہرا، کہ خارج میں جو شے موجود نہ ہو، باصرہ اُس کا ایک ادراک
نہیں کر سکتی۔ فرمائیے جو قوت جو حس قطرات کو خطوط محسوس کر رہی ہے وہ باصرہ
ہے یا کوئی اور؟

میں کہتا ہوں اُن کی خلوتِ ناز کی رعنائیاں میری چشمِ لطافت بیں کے
آگے مرئی ہیں، میں کہتا ہوں وہ لطیف و رنگین ہیولائے تبسم میرے دیدہ ہائے

محسوسات میں نظارہ فرما ہے، منطقی کہتا ہے خارج میں موجود نہیں، لہٰذا نہیں ہے!
میں کہتا ہُوں میرے احساساتِ صادقہ میں موجود اور متشکل، وہ کہتا ہے غلط، اب
میں جھوٹا یا وہ کاذب۔ نظریہ قطرات وخطوط کا باطل کر دو میں تسلیم کر لوں گا ــــــ؟

ہم کسی شخص کی آواز سنتے ہیں اگر اب سے پہلے ہم ارمی! اس سے شناسائی
ہے تو ہم پس پردہ بھی ترنم صوت سے اُس کی صورت معلوم کر لیں گے، لازم یہ آیا کہ
جو قوت مسموعات اور مبصرات کو ممیز کر رہی ہے۔ وہ دونوں کی مستدرک ہوگی،
درآں حالیکہ باصرہ صرف مبصرات کا ادراک کر سکتی ہے، اور سامعہ صرف
مسموعات کا، اب جو مسموعات کی قوت، مبصرات کا علم دے رہی ہے،
اس کی علّت کیا ہے؟

آہ، میں دیارِ حبیب میں، کوئے دوست میں، آستانِ یار کے قریب، پسِ
دیوار، اپنے محسوساتِ شعری میں اس کی نزاکتِ آواز محسوس کرتا ہوں، ترنمِ آواز
جو مجھے حبیب کا پتہ دے دیتی ہے، تم کیوں باور نہیں کرتے، کیوں مراسمِ
تعارف سے نا آگاہ مجھے نشانۂ ملامت وتضحیک بناتے ہو ــــــ؟

آپ مجھ سے باتیں کیجئے، آپ کے کلام کا حرف پہلا، میری سماعت میں
آیا، اب دوسرا حرف آیا ــــــ آیا ــــــ کہ فوراً پہلا حرف، دوسرے
حرف کے معرضِ سماعت میں آنے سے معاً ساقط السمع ہو گیا ــــــ کیوں کہ
سمع موجود کے سوا کسی چیز کی سماعت نہیں کر سکتا، پھر اصولاً حرف صدا جب یوں

ہی یکے بعد دیگرے باطل وزائل ہوتے رہیں تو نتائج تقریر کا احیا اور مفہوم کلام کا ابقا کیوں ہوتا ہے۔ وہ ایک شے، وہ ایک چیز جو کسی کے کلام رنگیں وسادہ کے مختلف اسلوب اور پیرائے، اور متضاد المفہوم انداز و ادا سمجھاتی ہے کیا ہے؟

یہ واقعہ ہے کہ ہم جب کسی کی باتیں سنتے ہیں تو ہمارا سامعہ ابتدائی حرفِ ندا سے آخری الفاظ و حرکتِ حروف تک یوں سمجھتا ہے جیسے وہ سن نہیں رہا بلکہ سمجھ بھی رہا ہے۔ ہم کلام کے بعید المقصد جملے، اور مبہم مدعا فقرے جو اپنے معنی و مفہوم کو الفاظ کی پیچیدگیوں میں پوشیدہ رکھتے ہیں ان کو ہم سنتے ہیں بلکہ سمجھتے بھی ہیں۔ سامعہ حرفِ اول کی سماعت کا تحفظ کرے یہ اصولاً غلط ہے اور یہاں کسی کا —— مفہوم کلام، شیرینیٔ گفتار، اور ترنم صوت سب محفوظ رکھنا سمع کا اصولاً یہ کام نہیں پھر وہ قوت کون سی ہے ——؟؟

ہم نے زید کو دیکھا اور پہچان لیا، کیوں؟ اس واسطے کہ پہلے بھی ہم نے اس کو دیکھا ہے، مگر اصولاً یہ اک عجیب بات ہے، ہونا تو یہ چاہیئے کہ ہم نے جو کچھ بھی دیکھا دیکھ لیا، اور جو دیکھیں، دیکھتے رہیں گذشتہ موثرات معاینہ کا ورد ہرگز نہ ہونا چاہیئے کیونکہ باصرہ خارجی مشاہدات کا صرف ادراک کر سکتا ہے، محرکات اور موثرات معاینہ کا احیا، یہ اس کا کام نہیں جب مبصرات کی صورتیں غائب ہوں، تو پھر اُن کے اثرات بھی باطل و زائل ہو جانے چاہئیں۔

—— لیکن حالت یہ ہے کہ بعض صورتیں ہیں کہ جن کو کبھی ہم نے

ایک اچٹتی ہوئی نظر دیکھا تھا، مگر ان کی لطافت رنگینیاں اور اُن کے خدوخال کی خوبیاں برسوں ہو گئے کہ ہماری باصرہ میں متشکل اور مرئی ہیں۔

اصولاً باصرہ خارج میں غیر موجود شے کے اسندراک سے عاجز ہے پھر بتائیے کہ یہ کیا وجہ ہے؟

آہ، مجھے اس فلسفہ جذبات سے ناآشنا، منطقی مخاطب سے بچاؤ میرے ہذیانِ محبت مباحثِ علمیہ کے ماہرین نہ سمجھیں گے وہ تکرار مدعا پر دلیل مانگتے ہیں، اور میں نمائشِ جذبات کے سوا کچھ نہیں کر سکتا، وہ اعادۂ محسوسات کو بے دلیل کہیں گے، میں صحتِ مذاق کو معیارِ تفہیم ٹھہراؤں گا اس کا انجام اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنی کہتا رہے اور میں اپنی کہتا رہوں،

میری باصرہ ان کی جمال اندوزیوں سے معمور ہے، سامعہ ایک ترنم موسیقی سے متکیف ہے، میری حسِ شامہ اُن کی بوئے پیرہن و تعطر جسم سے، معطر ہے، میرا ذائقہ ایک لذتِ خوش سے مست ہے اور لامسہ ایک ناقابلِ بیان نرمی و ملابست سے متلذذ ہے!

آہ کیا کہوں، میرا باطن ظاہر سے زیادہ رنگین عریانیوں سے آگاہ ہے، اور تنہا ایک حسِ مشترک میں وہ کچھ جمع ہے جو الگ الگ باصرہ، سامعہ، شامہ، ذائقہ، اور لامسہ کو نصیب نہیں؟

مجھ سے میرے خیال کی بوقلموں نمائیاں نہ پوچھئے، ایک طرف اگر وہ

میرے محسوسات کی صورتوں کا تحفظ کر رہا ہے تو وہی دوسری طرف گوناگوں نقش ونگار اور اپنی سادہ کاریوں سے اک چمن زار کا منظر بنا رہا ہے۔

جہاں شرح اجزائے تخیل کا رنگین خلاصہ کرتے رہنا اس کا دلچسپ کام ہے، وہیں اس کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ ہر دل نشین صورت، جو حسِ مشترک سے دوچار ہو جائے، اس صورت کو آنکھوں کے سامنے موجود و مرئی رکھے، باصرہ خارج میں ادراک کرے، یا نہ کرے اس سے، اس کو کچھ مطلب نہیں!

اک مصوّر عالمِ خیال میں ایسی صورتیں دیکھتا ہے، جن کا وجود خارج میں موجود نہیں، یہاں باصرہ کا اسندراک عاجز ہے، مگر وہ حس، حس مشترک ہی ہے کہ ایک حسین، پری تمثال دوشیزہ کا نقشہ حسن کی بہترین نزاکتوں سے معمور، اس کی آنکھوں کے سامنے مشکل کر دے۔

یہ ہماری حسِ متصرفہ کا ادبی مشغلہ ہے کہ جو صورتیں ہمارے خیال کے خزانہ میں محفوظ ہیں یہ ان کا وقتاً فوقتاً جائزہ لیتی رہے ہے۔ اور ان میں ایسے عجیب ولطیف تصرف کرتی رہے ہے کہ دنیائے خیالستان، جن کے باعث اپنے اندر ایک انجذابِ مکمل پیدا کر سکے۔

حسنِ یار کی لطافتیں اور خفی و دقیق نزاکتیں معلوم کرنا اور پھر اک اسلوبِ خاص سے ان کا نشر و اعلان، اغیار کی دزدکاریاں، سیاہ افعالیاں معرضِ بحث میں لانی اور ان کی تشہیر، اسی حسِ غریبہ کا کام ہے؟

ہم اپنی قوتِ واہمہ کی اوہام زائیوں کو بھی فراموش نہیں کر سکتے آہ، دل گرفتہ مجنون اگر دنیا میں شاد باید زیستن ناشاد باید زیستن، وہ کسی حال کیوں نہ جی سکتے ہوں تو فقط اسی قوت کے سہارے، اگر یہ غیر محسوس وغیر موجود اشیا کا ادراک نہ کرے ——— وہ اغیار کے ہاں مہمان ہیں

یا مثلاً ——— مجھ سے خفا ہیں مگر من جائیں گے ضرور

——— عاشق کے لئے یہ دل خوش کن، مصروفیت نہ رہے تو پھر اس کی بے کار زندگی کا خدا ہی حافظ ہوتا ہے؟"

میں قوتِ حافظہ کا بے حد مدح خواں ہوں، جو وہم کا خزانہ، خیال کی دوست، اور حسِ مشترک کی رفیق ہے۔ اس کے باعث ہر شے ہر اثر کی عمر طویل ہے۔ ہم لذاتِ گذشتہ، اثراتِ پیشین، حالاتِ ماضی اور واقعاتِ عمیق کے موثراتِ طبعی ہرگز زندہ نہ رکھ سکتے، اگر یہ حس ہماری ممد و معاون نہ ہوتی۔ ہم افسانہ ہائے ماضی کی لذتیں، پہروں، مہینوں، دنوں اور برسوں اسی کے باعث یاد رکھتے ہیں۔ یہ اسی کی پائیدار لطافت ریزی ہے کہ ہمارا تخیل اور ہماری حسِ مشترک، وہم کی مناسب آمیزش سے جو نقش و نگار فضا میں بناتی ہے، ان کا احیاء و ابقا اسی کی ذات سے وابستہ ہے۔

محبوب مجھ درد ماجراء اور غم قسمت کے تغافل شعار محبوب، تیری یاد کے غیر موجود، مگر محسوس اثرات، میرے تمام نظام ہوش و حواس کو متاثر کر رہے

ہیں۔ میرا نظام عقلیات اور ملکات خفی و جلی، اور تمام اسندراکات ظاہر و باطن، تیری حشر پیما، یاد کی ولولہ انگیزیوں سے درہم برہم ہے، پریشان ہے منتشر ہے، آجا، آجا، اور اب میری خبر لے لے؛

اُن کا خط

(اور آپ ہی آپ)

نسیمہ، نے سچ کہا تھا، خط تو کل ضرور آئے گا، اب یہ تمہیں اختیار ہے گھبرائے جاؤ——!"

اس سے کوئی پوچھے، کہ تیرے پاس خط کے آنے کا تار آگیا تھا؟ اوپر والے خبر دے گئے تھے؟ بھلے سے، کیا انہوں نے اسے پہلے کہلا بھیجا تھا؟ —— ہائے، اس کو خط کے آنے جانے کے طور طریق اور انداز معلوم ہیں مجھے یہ بھی نہ آیا ——"!

چٹھی رساں نے ڈیوڑھی پر آواز دی ——

"خط لے جاؤ!"

یہ معلوم ہوا کسی نے جی مسوس لیا، دھڑکن شروع ہوگئی، اور چہرہ پر، زردیاں کھنڈ گئیں —— میں یوں بے حال، اور نسیمہ ہے کہ مینا کا پنجرہ دانہ دیتے دیتے چھوڑ، بجلی کی طرح یہ جا وہ جا——"

اُن کے خط میں اللہ جانے کیا تاثیر ہے، کہ میرے خادم تک۔ اس کے

اک مرمریں استقبال ہیں بچھ جاتے ہیں، اور میں اپنی تو کیا کہوں؟ ——— اک مرمریں بت ہو جاتی ہوں، کچھ دیر تک تو سارھ بدھ ہی نہیں رہتی ———"

نسیمہ نے ڈیوڑھی سے خط لاکر ہاتھ میں دیا، تم یقین ماننا دل کی دھڑکن ہاتھ میں آجاتی ہے ——— "حواس غائب، ہاتھ بے قابو، آنکھ سراپا تجسس ——— لفافہ کے طور، عبارت کے طریق، خطاب کے انداز سے اُن کے التفات کی بوجھ شروع ہو جاتی ہے ——— یہ نامراد ڈاک والے جب کبھی کوئی مہر، لفافہ کے ایسے حصہ پر لگا دیتے ہیں، جہاں میرے خطاب کا کوئی جزو ہو، جس سے لفظ مجروح ہو جاتا ہے، یا "اُن کا" مرسلہ ہو، جہاں جس پر نیلی سیاہی کے دھبّے پڑ جاتے ہیں تو جان بے کل ہو جاتی ہے ——— یہ دہاتی اس درجہ بدسلیقہ ہوتے ہیں کہ لفافہ کی خوشبو، اور خوبصورتی بھی تو نہیں دیکھتے، جہاں چاہتے ہیں مہریں چھاپ دیتے ہیں!

لوگ کہتے ہیں خطوں میں کیا دھرا ہے؟ میں کہتی ہوں اُن کے خط کا بند لفافہ تو، میری روح پر جسم کا ایک خول ہے، فرق یہ ہے کہ وہ جذبات کا متحمل ہے ——— اور یہ نہیں! وہ بھی روتے ہیں اور رونے کا تذکرہ خط میں لکھتے ہیں، مگر کاغذ سے نمی محسوس نہیں ہوتی ——— اور ادھر میں، میری روح بھی اک گداز، اک غم، اک تاثر فراق کا، اپنے اندر جذب کرتی ہے اور میرے دل کی جو آنکھ ہے اُس سے پانی برسنے لگتا ہے ———"

اگر تم یقین کر لو تو کہتی ہوں کہ، تمہارا خط آدھا تو ہیں، کھولے بغیر ہی پڑھ لیتی ہوں، اور آدھا حصہ، باوصف اس کے کہ آنکھوں کے آگے ہوتا ہے مگر پڑھا نہیں جاتا، تم میرے سامنے یوں نہیں، قد آدم، خیال میں موجود ہو! بلکہ سچ مچ میرے سامنے آجاؤ تو بتاؤں کہ تمہارے اعتراف مجھے شکووں کے قابل نہیں چھوڑتے، میں رونے لگتی ہوں، تمہارے اقرار، بھولی بالی طرز کے مجھے نادم کر دیتے ہیں اور اتنا نادم کہ تم سے دور، مصائب کو جھیل کر جان دے دوں اور اُف نہ کروں ——————!

تم نے پہلے خط میں یاد نہ کرنے کا شکوہ کیا تھا، مجھے غصہ آگیا تھا، آج تم نادم ہونا بیان کرتے ہو! لو میں عرق عرق ہو گئی، مجھے تو اپنے آپ پر ہنسی آتی ہے کہ یہ مجھے ہو کیا گیا ہے؟ میری کسی بات میں رکھ رکھاؤ، تحمل اور تدبر، نہیں —— دیکھنا! میں دیوانی ہو گئی ہوں؟ ہزاروں باتیں، تمہارے خط کے پہنچنے پر "آپ ہی آپ" کرنے لگتی ہوں —— آخر پاگل نہیں ہو گئی ہوں تو یہ کیا ہے؟

تم نے یہ کیا لکھا ہے ——————؟ :-

"راحتِ قلبِ حزیں!

—————— واللہ!

میں یہاں سے پیچھا چھڑانا چاہتا ہوں، صرف اس لئے کہ تم سے

اللہ ہی جانتا ہے ——— دل کی طمانیت وہاں اور میں یہاں! دوری نہ رہے، دن اور رات کیسے گذارتا ہوں؟ تمہارا طعن بجا کہ احباب اور مشاغل سلامت رہیں، مجھے بھی یاد کرتے ہو گے یقین ہے ———؟"

القاب سے تو متفق ہوں مگر اتنا کہ میں لکھ سکتی، اب رہی یہ بات کہ دو سال پورے مجھ سے علیحدہ کلکتہ میں کاٹ دیئے اور ابھی تک میرے تمنائی کو اتنا موقع نہ ملا کہ ادھر سے بھاگ آئے ——— کیا کہوں؟

تمہاری ہر بات سچی، اگر خدانہ کرے سچی بھی نہ مانوں تو زندگی کا پھر سہارا کسے بناؤں؟ مگر خدا کی قسم، ذرا مجھ سے دل بدل لو تو تمہیں معلوم ہو کہ تم سے جدا میرے دل کا وظیفہ کیا ہے؟

اس سے تمہیں انکار نہ ہوگا کہ تمہارے احباب ہیں، تمہارے کچھ نہ کچھ مشاغل ہیں ———

ناچار اور بے دل ہی سہی، مگر دوستوں سے ملتے ہو! کچھ نہ کچھ وقت کٹ ہی جاتا ہے ——— "نامراد معاش ہی کا سہی مگر کچھ نہ کچھ شغل تو ہے، جو ایک لمحہ کے لئے خیال کے اصلی لگاؤ سے علیحدہ کرسکتا ہے ———! ہائے، مجھ پربت کی ماری کو دیکھو! گھر کی چار دیواری ہے، نسیمہ، باہر کا خادم، گھر کا سامان، اور میں بے اوسان! میری سہیلیاں اور میری ہجولیاں میرے روگ سے واقف! اگر وہ آ بھی جائیں تو سوائے

اس کے کہ غم کا فسانہ اور طویل ہو تسلّی کیا میسّر آئے ـــــ؟

تنہائی کا مشغلہ، تم سے امیدیں اور تمہارے خطوں کے جملے اور اُن سے بحثیں! بس! دیکھنا!! میں تم کو تمہارے خط کی مدلل سے مدلل بات کا رد پیش کر سکتی ہوں اور یہ قدرت مجھے کیونکر نصیب ہوئی؟

تمہارے خطوں کے فقرے میرے واسطے چشمِ سخن گو ہیں۔ اور تمہاری ہر دلیل پر مجھ سے اشارہ کرتے ہیں کہ "زہرہ! خبردار دل میں کچھ اور بھی ہو ناممکن ہے!! ـــــ اُن کے خط میں سب کچھ ہوتا مگر میری بے کسی اور تنہائی کے صدمات کے احساس کا تذکرہ نہ ہوتا ـــــ بہت معمولی سی بات سمجھ کر لکھ دی کہ:۔

"جاڑے کا موسم ہے آٹھ ہی بجے سے رات گھر میں گھس آتی ہے، پہلے تو باتوں میں کچھ رات بسر ہو جاتی تھی اب تو سرِ شام ہی سے رات کی اذیتیں برداشت کرتی ہوگی ـــــ"

جب سے تم گئے، اللہ ہی جانے رات، دنیا میں سے کہاں چلی گئی؟ اک دن ہے کہ طول قیامت کا نمونہ! کچھ بھی تو مشاغل میں اختلاف نہیں، جو دن کو ہوتا ہے وہی رات کو، البتہ یہ فرق کر لو! دن کو نسیمہ کبھی کبھی کہہ دیتی ہے "بیوی اتنا نہ کڑھو، اتنا نہ روؤ" یا یہ کہ ترس کھائے، پانی لا کر پلا دے ـــــ اور رات کو حرماں نصیبی اپنی یکتائی میں اکیلی ہوتی ہے!

چاہیے، روتے روتے آنکھ پھوڑ لو، کوئی "حوصلہ" کو روکنے والا نہیں
تمہیں شاید یقین نہ ہو، یہ دامن سے محروم آنکھ اور حرفِ تسکین سے ناآشنا
کان، اب اپنی حالت پر تاسف کرنے لگے ہیں۔

آنکھوں سے اشکوں کا بہنا بھی مزہ، جب ہی دیتا ہے کہ کوئی دامن
و آستیں سے پونچھتا جائے، اور دل کی بے قراری بھی، پر لطف اسی وقت
ہے کہ کسی کے لب صبر و تسلی کی تلقین کریں ورنہ "محبت، مُردوں کا ماتم ہے
کر لو! اُٹھ کے کوئی آتا نہیں ——"

آجاؤ!! دیکھنا، میں کہتی ہوں آجاؤ!! ورنہ انتظار نے اب کچھ چھوڑا
نہیں ہے ——!!

انبوہِ جمال

ہر چند کہ افراد کی انفرادی حیثیتیں، اس وقت قائم نہیں رہتیں، جب کہ وہ کسی ترتیب خاص کے ماتحت، اک حسین اجتماع کی صورت اختیار کرلیں،!

مانا کہ جمال اور دل کشی کی خصوصیاتِ منفردہ پھر باقی نہیں رہ جاتیں جب کہ وہ کسی اسلوب خوش کے ساتھ، اک جمیل اجماع کی شکل، اور اس شکل کا حسن بن جائیں!

مجمع کی دل آویزیوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے، یہ کہنے والے بھی حق بجانب کہ یہاں حسنِ انفرادی کی کوئی قیمت نہیں مگر مجموعی شکوہ، ہر فردِ شامل کی کوئی جداگانہ ممیز شان نہیں، وِالّا مجمع کا وقار، کسی پیکرِ دلکش کی تنہا کوئی حیثیت نہیں، لیکن اجتماع کی جاذبیت!!

مگر جب ان اجماعی شانداریوں کا تجزیہ، اِن مجموعی رعنائیوں کی تحلیل کیجیے گا، تو آپ کے لئے اِن انفرادی حیثیات پر گفتگو کرنا ناگزیر ہوگا جو روحِ مجمع اور جانِ اجتماع ہیں!!

آپ مجمع کی اجتماعی حیثیات کی شرح کریں، اور اپنا دامنِ فکر تشخصات کی بحث

سے آلودہ نہ ہونے دیں، محال ہے!

آپ اجماع کی مجموعی دلآویزیوں پر نظر ڈالیں، اور دیدۂ ذوق کو محاسن انفرادی سے منور نہ ہونے دیں، مشکل ہے!

پھر ان اشکال و محالات کی منازل اس درجہ سنگین اور طویل ہیں، جہاں پائے استدلال مضمحل اور شکستہ ہے، ولولہ براہین افسردہ اور مجروح ہے!

تعجب اس پر جو ان مشکلوں کو آسان سمجھتا ہے کہ ہم مجمع کو افراد سے منفک کر لیں گے اور پھر مجموعی دلآویزی کو بھی مجمع کی "قائم رکھیں گے؟

ہم مفہوم کو عبارت سے الگ ثبت کریں گے، اور پھر کتابِ معنیٰ کی شعریت اور نکتہ آفرینی کو بھی زائل نہ ہونے دیں گے؟

ہم نکہت کو شاداب پھولوں سے جدا کریں گے اور پھر دستۂ گل کی عطر فشانیوں میں بھی فرق نہ آنے دیں گے؟

ہم قوس قزح سے اُس کی رنگینیاں، علیحدہ فرض کریں گے، اور پھر اس کی حیثیت نیرنگِ لون پر بھی دھبہ نہ آنے دیں گے؟

سوائے اس کے کہ ان آسانیوں کی مشکلات پر دل خون کیا جائے اور کیا ہو سکتا ہے!! ہاں تو میں، ہجومِ جمال کے تاثراتِ بسیط کا تو یوں بھی قایل ہُوں اور یہ بھی مجھے معلوم ہے کہ تحسین مطالعۂ دل کے جذبات، اس قسم کے انبوہ آفریں، مواقع تخیل پر کس درجہ عمیق تاثر یاس سے پُر ہوتے ہیں۔

مگر خدا کے لئے مجھ میں اتنی شکیبائی کہاں، میرے شوقِ یکسوئی کو اس قدر فرصت کب، کہ میں "محاسنِ اتحاد کی قوۃ" اور "قوۃ ہنگامہ ربط کی" طاقت کو دیکھوں؟!

ہاں مجھے قوموں کے جاذبۂ ارتقا پر قصائد لکھنے کا ملکہ نہیں، لاریب کہ نشو ونمائے خصائصِ ملیہ کی شرح نویسی میرا پیشہ نہیں! ہائے مجھے تو قدرت نے اپنے دل کی خوں فشانیوں کے لئے مختص کیا ہے، اب مجھے تو ذوقِ فطرت سے فشار تاثرات اور جذباتِ غم کے نشر کی خدمت سپرد ہوئی ہے!

انہیں خندۂ شادمانی نصیب مگر میرے مغموم آنسوؤں کی معراج تو یہی مبہم شہرت ہو جاتا ہے، انہیں طاقت کے حسن کی مدح مبارک، مگر مجھے تو، میرے لئے حسن کی صبر آزما طاقت کو سراہتے رہنا ہی مدارِ حیات ہے۔

مدعی قوتوں کے نیرنگ، اور طاقتوں کے حسن سے دنیا کو مسخر کر لینے کے افسون پھونکا کرے، میرے پندارِ پرستش کا زعم تو یہ ہے، کہ حسن کی طاقتِ طلسم آفرین اور جمال کی قوتِ شعبدہ پرور کی رہنمائیوں بغیر یہ نظام نیرنگ و لولہ اور یہ مملکت اجسام و قلوب مسخر ہونا غیر ممکن ہے!!

آہ ایام سعیٔ تسخیر و تحریک کے مسلسل وہ تین دن جب کہ تبسم ضیائے تلطف سے دہلی کی ساری فضائے شوق، رنگین و کیف تھی!

ان ایام مسرت میں، جب کہ دہلی اپنے نصیب کی خوش کامیوں پر مفتخر،

اور اُس کی زمین کا ایک غیر مسطح قطعہ، اپنی تقدیر کی رعنائیوں میں ممتاز تھا؛

ہاں اُن دنوں، جب کہ دلّی کی خاکِ پاک، اک مخصوص ارضِ محبت،

اور اُس کا ذرہ ذرہ، خراشِ تحسین، خراج گداز اور تعظیم ذوق چاہتا تھا!

اُن روز دوں جب کہ اس دیارِ حسن پرست کی وسعت عطریت میں

ڈوبی ہوئی تھی، اس کا طول ہنگامِ مسرت سے معمور اور اس کا عرض شاداب

نکہت سے پُر تھا؛

ہاں اُن ایام میں جب کہ دلوں کی خستگی کا زمانہ بہار تھا اور حسنِ فراموش کار

نقطۂ کششِ کہربائی بنا ہؤا تھا، عنواں کی جاذبیت نے اذنِ مطالعہ عام دے

دیا تھا؛

ہائے ٹھیک ان دنوں جب کہ حیات محبت مختصر ہونے کو تھی، شغلِ پرستش

طویل ہونے کو تھا اور عشاق کی مضطرب زندگی، اک راہِ مصروفیت کے

لئے، سراپا سعی بنی ہوئی تھی ——— میں وہیں موجود تھا ———!!

قوتوں کے محاسن کا جشن سالانہ تھا یا حسن کی طاقتِ مستحکم کی فرمانروائی

کا اعلان، بہر حال دست و بازو کی نمائش خودداریں زخم خوردہ سینوں اور خون

سے تر آستینوں کی عریانیاں بھی صرفِ تماشا تھیں؛

تیغ و تبر، زرہ بکتر، شمشیر و خنجر کے خونچکاں تذکروں میں قانونِ اسلحہ اگر زیر

بحث تھا تو وہیں دوسری جانب خمار آلود آنکھوں کا نشۂ پندار شانوں پر سرکتی

ساری کا وقار، ابروئے شگفتہ کی جنبش، لبِ لعلیں کا تبسم اور سحرِ تکلم کی قیامت بھی اس ساری بحث کی روانیوں اور اُس کے دل نشین معنی کی گہرائیوں کا طلسم بنا ہوا تھا!

صحافتِ ملکی کے اسلوبِ انشا پر قیودِ مطابع سے جو صداقت شکن سختیاں نازل ہو رہی ہیں اسی پر گفتگو تھی، اور کسی کو یہ معلوم بھی نہ تھا کہ مکتبِ سیاست اُجڑا چاہتا ہے، اور یہ دعوتِ بزمِ ادب متاعِ ہوش کو جذب اور سرمایۂ خرد کو ضبط کئے لیتی ہے، اگر اُدھر اندازِ رقم مردود ہے تو کیا ہے حدیثِ مطرب پر طبع آزمائی سہی!

حکومت کے خود مختارانہ ولولوں کی فضا میں اگر "اختیار کی حکومت" کے نقش و نگار گنبدِ حریت میں چار چاند لگا دیتے تھے تو وہیں اختیار رکھنے والے خود مختار اپنے کامل اقتدار سے دنیائے آزادی کو دعوتِ قیدِ دوام دے رہے تھے، بڑے بڑے دل پر اختیار رکھنے والے اِس پیغامِ بے اختیاری پر لبیک کہنے کو جھکے پڑتے تھے، اس حسین اختیاری قید کی پابندیوں پر ساری عمر کی آزاد خوشیوں کو قربان کرنے کو تیار بیٹھے تھے، ان طلائی زنجیروں میں بستہ رسن ہونا ہزار شادمانی حریت سے سوا سمجھتے تھے!!

جشنِ عام کا عنوان علم و عمل سہی مگر یہ حقیقت ہے کہ ادب و شعر کے لطائف، مباحث کا متن تھے۔

یہ سارا مجمع حسن دوشیزہ، حسن متین اور حسن تجمل سے معمور تھا۔ یا پھر میری

بے کسی کا حسن تھا، جو اپنے جمالِ بے چارگی میں دور، دور منفرد تھی۔

ہائے کہ اُس وقت جب ایوانِ تمکینِ کبریٰ میری فتادہ اداؤں پر بند تھا؛ اس گھڑی جب خلوتِ حسن پرستاروں پر عام نہ تھی، دنیا گواہ ہے کہ میں جلوہ گاہِ جمال کے پائین میں پریشان کھڑا تھا، تقرب سے دور سہی مگر حضوری میں حاضر تھا۔

ہائے کہ جب، کسی کو بھی اذنِ دخل نہ تھا، سارے عالم کو معلوم ہے کہ کرشمہ گہ حسن کو میرے آنسوؤں نے تر کر دیا تھا، اور کون ہے جو نہ کہہ دے گا کہ اُن کی گردِ رہوار کا احاطہ میری مغموم آہوں نے کیا۔ مگر چاکری، آہ تیر النصیب! نا گفتنی خدارا میرے اضمحلالِ شکستہ کو نواز!

او گنگا کی سنگم نشین دیوی، للہ میری آنکھوں کے آبشارِ الفت پر ایک نظر کر!

دنیا میری نسبتِ تعشق کی بلندیوں پر متحیر ہے مگر میری مجبوری کو کون ہے جو جانے؟

لبالب پیمانوں میں آبِ حیات چھلکے، اور میں ایک قطرہ کو بھی ترسوں؟ ترے عطایائے لطف کی دنیا مدح کر رہی ہے مگر میری محرومیاں تو شکوہ گذار ہی رہیں۔

یہ حسنِ یاسمینی، یہ نکہت، درنگینی، یہ دوشیزگی اور حجاب یہ لوچ اور شباب، یہ معلوم ہوتا ہے کائنات کو محرومِ راحت کر کے چھوڑے گا۔

ہاں میں بھی مٹ سکتا ہوں، میں بھی فدا ہونے کو تیار ہوں میں بھی تصدق ہو جانے پر آمادہ ہوں ——— کاش وہ ملتفتِ برباد ی تو ہو ——— وہ ایمائے خستگی تو دے!

آہ! میں اک سعیٔ عشق ہوں جو قسمت سے مسترد، یا اشکِ دادخواہ ہوں جو آغوشِ دامن سے محروم، یا پھر قطرۂ گریۂ بے اختیار ہوں جو لطفِ سرِ آستین سے بے نصیب!!

میں اک مدعائے سیمیں کے لئے راتیں سیاہ کردوں گا،
میں اک آرزوئے رواں کے لئے دشت و کوہ ناپ لوں گا،

لیکن وہ سیلِ سیماب میری جانب بہہ آنے کا تہیہ تو کرلے، وہ موجِ نور میری حیاتِ افسردہ کے سکوتِ تاریکی کو جنبشِ جمیل سے بدلے تو!!

ہائے دنیا صحیفۂ فطرت کے اس لطیف مضمون کو کیا سمجھے گی، اہلِ ہوش میرے ہذیانِ الفت کی نزاکتوں کو کیا جانیں گے!

ہم نشینو آؤ! میرے اوراقِ ہستی کے صفحاتِ اولین کو پڑھو حسن اور محبت دو لفظ ملینگے جو حقیقتاً میری زندگی کا راز اور کائناتِ عالم کی لطافتوں کا اختصار ہیں!!

ہائے وہ میرا عمقِ تخیل ہے، وہ میری عبارت کا مفہوم ہے، وہ میری گفتگو کا مدعا ہے"

اِس فکرِ خوش کو، اس ربطِ معانی کو اس منشائے منور کو، کون ہے جو پڑھے اور کون ہے وہ، جو نکہت کی اس چیستاں کو بوجھے؟!

خدنگِ عشق

حسن و عشق کے جذبات خاص ہیں مگر ان کی دار و گیر عام ہے ——!

یوں تو محبت کی جنون زائیاں، اور وحشت آرائیاں، انسان کیا کسی نوع و جنس، کسی مقام و وقت کے لئے مختص نہیں مگر ان جذبات رقیقہ و لطیفہ کا پورا پورا لطف کچھ وہیں ہے - جہاں حسن، حجابِ محمل میں مستور نہ ہو اور سازِ دل سراپا اک نغمہ محسوس ہو۔

اور پھر عطائے آسمانی کی بے لوث بخشش اور حسنِ سادہ کی شانِ "الوہیت" ——پرسکون دیہات میں دیکھئے جو تکلفاتِ تمدن، اور تنوعاتِ معاشرت سے دور، اور ازلی سادگی کا نمونہ ہیں جو افراطِ تنعمات کے ہجوم اور تصادمِ ضروریات کے ہنگامے سے ناآشنا ہیں! عالمِ ارضی کا حقیقی "سکون"! اور فشارِ تاثراتِ صحیحہ اگر آپ کو کہیں مل سکتا ہے تو آپ انہیں پر تنوع مگر مختصر المعاشرہ آبادیوں میں چلے آئیے ——

(۱)

آپ کو معلوم ہے؟ دیہات کی حور، وہ رقصِ معصوم، وہ نغمۂ عریاں، جو ٹیٹ

اسی دیہات میں تھی۔ جب کہ وہ نہ جانتی تھی کہ حسن کیا شے ہے؟ جب کہ وہ نہیں سمجھ سکتی تھی۔ کہ محبت کیا چیز ہے محبت کے دیوتا نے اسے یہیں ورسِ اضطراب دیا، نہیں معلوم اُسی روز شام کو جب کہ سورج اپنا زریں و مطلاّ تاج پہنے ہوئے مغرب کی طرف دوڑا جا رہا تھا آسمان کی جیب سکہ طلائی سے پر ہو رہی تھی۔ طبق زریں میں سونا الٹ رہا تھا۔ اور پہاڑ کی چوٹیوں سے ادھر، شفق کی اوٹ میں فرشتے پر پھیلائے محبت کے دربار میں آنے کے لئے منتظر کھڑے تھے۔

جولیٹ پنجرے کے سجائے ہوئے باغ سے اپنی مسند کے پھول توڑ، ٹوکری میں بھر، واپس ہو رہی تھی، اسی روز شام کو جب وہ دور سے کسی شہری انسان کو گھوڑے پر آتے دیکھ کر آدابِ معصومیت، اور حجابِ نسائیت کے ساتھ لجا کر ایک گوشہ میں سمٹ گئی تھی ——!

اجنبی قریب سے نکلا! آنکھیں دوچار ہو گئیں، بھرے کٹوروں سے شراب چھلکی، حسن کی ساقی گری نے آگ لگا دی، عہدِ الست ٹوٹا، نظروں نے کوئی راز ایک دوسرے کے سپرد کیا! دل ایک لمحہ نظارہ بن کر وقفِ حیرت ہوا! بجلی چمکی۔ اور اک تیر سن سے نکل گیا جولیٹ جولیٹ نہ رہی، وہ کملا گئی پھول زخمی ہو گیا اور اُس کی پنکھڑیاں نڈھال ——!

(۲)

خارِ الم کی خلش، دردِ محبت کی کسک، سے نا آگاہ بستی اور اس کی

نازآفریں ہمجولیاں، کھیل رہی تھیں یعنی گل بازی کر رہی تھیں، سسلی پہلے ہی فرطِ نزاکت سے دکھے ہوئے اعضا رکھتی تھی، اب اور ضرب ہائے غنچہ و گل نے سارے جسم کو زخمی کر دیا۔ اُس کی سہیلیاں اُس کے کسی راز سے واقف نہ تھیں اور گل بازی سے اُس کی یاد تازہ کر رہی تھیں، وہ بہت چاہتی تھی کہ ان چوٹوں سے بچے، مگر وہ بچتے بچتے بھی چور ہو رہی تھی۔ احساسِ تکلیف منع کرتا کہ ادھر آجا، اور ذوقِ درد کہتا، نہیں اک چوٹ اور بھی ——— !

ہٹنے میں ایک احتراز مجبور تھا، تو بڑھنے میں اک لذت طلب، جرأت! پسپا ہونے میں اجبار تھا تو پیش قدمی میں رعایتِ شوق! کبھی وہ سراپا اجتناب تھی اور کبھی یکسر انہماک کبھی وہ ایک انتشار تھی اور کبھی اک سکون، ہر ضرب نے اسے بے چین کیا! ہر چوٹ نے اسے دکھ دیا، مگر بے چینی میں اصل چین پایا اور دکھ میں حقیقی راحت، چین سکون بے کاری تھا، بے چینی ایک مشغولیت! راحت اک گمراہی حیات تھی اور دکھ سعی نفس ——— !

ساری سہیلیوں نے، اِن گلابی رخساروں، ان نرگسی آنکھوں، ان نیلوفری لبوں کو، زخم خوردہ پا کر جارحانہ حملہ کر دیا یہ ایک کھیل تھا جس میں سسلی نے حسن کا پارٹ ادا کیا اور سہیلیوں نے ہم نشینوں کا!

(۳)

دیارِ حسن میں جب کہ بے خبری تھی، ساحل کی آبادیوں میں سکونِ مطلق تھا،

نور کا عالم چپ تھا، روانی خاموش تھی۔ موجوں میں خموشی ملفوف تھی، جب ملکہ حسن کی فرمانروائی تھی۔ نرگس سوتی تھی، نیلوفر سوتا تھا، گلاب محوِ خواب تھا، دنیا پر عالم غنچگی طاری تھا۔ قصرِ سنبلیں میں ملکۂ عالم حسن کی سرشاریوں میں محوِ خواب تھی۔

قمر اقلیم حسن کا ہراول تھا۔ اور تارے شبگیر، ہدہد نوید سحر لایا، چڑیوں نے زمزمہ صبحگاہی چھیڑا موجوں نے ساز درست کئے اور ہلکے ہلکے دھیمے دھیمے سروں میں نغمہ بجایا۔ نسرین نے سرگوشی کی۔ نسترن بڑھی، اور ملکۂ عالم کے کفِ پا چوم کر پیچھے چپکی ہٹ گئی۔ نسترن کے لبوں نے جو حنائی کفِ پا سے مس کیا تو اک گدگدی پیدا ہوئی؛ اور ملکۂ حسن ایک لمبی انگڑائی لے کر اُٹھ بیٹھی، کائنات بیدار ہو گئی۔ مدہوشی چونک پڑی عالم میں ایک جنبش پیدا ہوئی، دنیا ہنسنے لگی ——— !

حسن چپ تھا مگر بے چین، حسن خاموش تھا، مگر تصویر گویا، حسن محویت میں تھا مگر پر اضطرار، ملکہ نے چاروں طرف ایک ناز آفرین نگاہ ڈالی۔ اتنے ہی میں ملکہ نے ایک چیخ ماری اور کراہ کر کہا آہ۔ اور پہلو پر ہاتھ رکھ کر کھڑی ہو گئی۔ عالم چکرانے لگا، چین رخصت ہوا، دیکھنے والوں نے دیکھا کہ ملکہ کے پہلو میں دل کی طرف ایک خارجی چیز پیوست ہونا چاہتی ہے تلاش ہوئی تو ایک خوبصورت ناجنس بچہ پکڑا ہوا آیا جو دور سے کھڑا ہوا تیر چھوڑ رہا تھا۔ پوچھنے سے معلوم ہوا کہ آپ کیوپڈ ہیں اور یہ تیر، تیرِ عشق ——— !

شامِ ہجراں

وہ ساعتیں، میرے ذوقِ ہنگامِ طرب کی محرک، اور میرے ولولہ ہائے نشاط کی شوق آرائیوں کا تنہا باعث ہیں، جب کہ دن کی روشنی، اپنے چند لمحاتِ آخرین کی نظارہ آفرینیوں کے بعد ختم ہوا چاہتی ہو، اور آفتاب کی زرد، زرد شعاعیں، ساحلِ بحر کے پُرسکون، سطحِ آب، پر پھسل، پھسل، کر گر رہی ہوں، جب کہ ننھی ننھی موجوں میں، قریب بہ غروب آفتاب کی معصوم شعاعیں، ہچکولے لے رہی ہوں ——— اور شعاعوں کا انعکاس زریں، سطحِ آب پر، اپنے منقطع و مسلسل، رنگین بڑھاؤ اور رقیق بسط، سے، میری افسانہ طراز حسرتوں، اور میرے عمیق ترین، گداز روح کو اپنے میں جذب کر رہا ہو، وہ ساعتیں ہیں ——— ہاں جب، کہ شعاعِ مہر، کی تابشِ مرتحل، اور موجِ آب کی ہر جنبشِ مضمحل، میرے واسطے مستقل وجہِ اضطرار، اور درسِ اضطراب ہو جاتی ہے ——— اور میں اک طویل بے چینی سے معمور، کیفیت کے ساتھ عالمِ محویت میں گم ہو جاتا ہوں! ہائے، روز، یوں ہی، میرے خوابہائے عیش کی پر لطف یاد، جو لذتِ شبہائے، عہدِ پیشین سے، وابستہ ہے، تازہ ہو جاتی ہے ——— اور،

روز، اسی طرح، مَیں ایک مرتبہ، غم کی تباہ کن گہرائیوں میں، اپنے المناک تخیل کی مصروفیت، اور مکمل ترین انہماک تصور کے ساتھ، سرد آہیں، بھرتا ہوا، ڈوب جاتا ہوں۔

یہ رواں، اور مسلسل، خطوط شعاعی، جو مغرب کی جانب، دوش امواج پر، سرگرم خرام ہیں —— میرا اکثر جی چاہتا ہے، میں بھی اس مذہب و مطلا جادہ تنویر پر، کاش، کسی کا شریک سفر ہوتا، اور شاید اسی طرح میں دن کی ان آخرین شعاعوں کے ساتھ ساتھ ساحل کے اُس طرف کی آبادیوں میں فضائے نکہت کے ملبوس عطر زا میں ملفوف، رقصِ درخشانی اور بوئے رواں کی طرح پہنچ جاتا —— آہ!؟

ابنِ عمّ

(عذرا عالمِ انتظار میں)

وادی وجبل اور سنگ ریز میدانوں، خشک اور حدت در آغوش ریگستانوں میں، اے میرے گرمِ سفر، ابنِ عمّ! خدا تمہیں بادِ سموم سے مامون ومصوّن رکھّے!

نجد کی شمالی ٹھنڈی ہوائیں جو فرحتِ دل، اور تسکینِ روح، کا سامان اپنے دامنِ نکہت ولطافت میں، پوشیدہ رکھتی تھیں، ادھر سے جو محبت نواز، اور مست خوشبوئیں، دوشِ نسیم پر سوار ہو کر اس طرف آتی تھیں، آہ۔ اب اُن کا اندازِ رفتار اور اثرِ نفوذ، بدل گیا، طبیعت کے خلاف، اُن کی چھیڑ میرے لئے اب تو الجھنوں کا پیام ہے، وحشتوں کا سامان ہے ——!!

سلمٰی! پیاری بنت عم!! تجھے "قیس بن عامر" کی جھوٹی سچی کہانیوں سے کیا مطلب، تجھے ایسی باتوں سے کیا غرض ——؟ ان قصہ طرازیوں میں تجھے، کیا مزہ آتا ہے ——؟

لیلیٰ جانے، لیلیٰ کے گھرانے والے جانیں، ان مطاعن و تضحیک سے تجھے کیا مل جائے گا۔؟

کاش سلمٰی پیاری، تجھے بھی کسی سے محبت ہوتی، تیرا دل بھی تیغِ عشق سے زخمی ہوتا۔ لذتِ مجروحی سے تو بھی آگاہ ہوتی، تیری آنکھیں بھی خوں باریوں سے آشنا ہوتیں، تیرا دل بھی اضطراب و درد سے واقف ہوتا، تو تجھے معلوم ہوتا کہ ایسے تذکرے جنہیں تخنیس منشار اور التباسِ حالات کا، عمداً اہتمام کیا گیا ہو، کسی پر کیا بناتے ہیں؟

میرا دل نہ دُکھا، مجھے آنے بہانے نہ چھیڑ، لیلیٰ پر نہ ڈھال، مجھے بولی، ٹھٹولی میں نہ اُڑا، سچ ہے، ہاں، ہاں خدا کے واسطے، بالکل سچ ہے، تیرے بھائی کے بغیر، عذرا، ابنِ عم کے بغیر، نجد کے اس شمالی بلند و شاداب حصّے میں رہنا حرام سمجھتی ہے ـــــــ سمجھتی ہے!

"لیلیٰ کی رعنائیوں نے قیس بیچارے کو تباہ کر ڈالا"،

خدا نہ کرے جو کوئی لیلیٰ کی طرح اس آوارہ دشت سے غافل ہو بیٹھے"

للّٰلہ زبان کو روک، نشترِ فساد نہ بن، غماز فتنہ پرور کہلائے جانے سے ڈر، اور اس گھڑی سے خوف کھا کہ عشق تیرے جگر و دل کا، زندہ خون چوسے، دل پر ہاتھ رکھ کر کہہ سکتی ہوں کہ لیلیٰ ہرگز غافل نہ ہوگی، قبیلے کی شرم، گھرانے کی لاج، پرانی آن بان رکھنے والے بزرگوں کی حیا، ورنہ اپنے اس آوارہ دشت

وجبل کے لئے گھر میں ہی بیابان بنا بیٹھے۔ اور کیا ہے، اب بھی اس کی پژمردہ صورت اس کے دل کا آئینہ ہے لیکن "پریشان کی پریشانی پریشان خوب جانتے ہے"۔ تجھے اس سے تو مطلب ہی نہیں، تیرا مدعا تو اور ہی کچھ ہے، آہ۔ تجھے تو عذرا کا دل دکھاتا ستانا، رلانا منظور ہے۔ تجھے تو عذرا کے زخمِ دل کو گہرا کرنا اور اُن پر نمک چھڑکنا مقصود ہے تجھے تو دامنِ صبر چاک کرانا اور راز کی بات کہوانا مطلوب ہے!!

آہ لیلیٰ کی رعنائیوں نے قیس کو تباہ کیا ہو یا نہ کیا ہو، لیکن عذرا کو اس کے ابن عم کی سادہ ادائیوں نے اشتیاق میں ڈوبی ہوئی خفیف متبسم رسیلی اور پرکیف آنکھوں کی ادائے شوق نے ضرور تباہ کر دیا، لیلیٰ اپنے آوارۂ دشت سے غافل ہو یا نہ ہو مگر عذرا، اپنے ابن عم، سے، یہ جائز شکایت ضرور رکھتی ہے کہ وہ اپنی آوارۂ محبت کو ضرور بھول بیٹھے"!

وہ نیزوں کی جھنکار، وہ ہنگامِ رخصت مردانِ جدال کے پرجوش کلماتِ رجز، اور ابنِ عم کے شتر بادپا کی وہ پیاری آواز، اب تک میرے کانوں میں گونج رہی ہے ——— وہ سامنے والی پہاڑی کے موڑ پر اپنے بادپا کو ٹھیرا کے دور سے تمام اہلِ قبیلہ سے رخصت ہونا، وہ مجھے ایک مخصوص اشارہ کے ساتھ مخاطب کرنا اور میرا ہدیۂ محبت قبول کرنا مجھے یاد ہے ہشام بن ربیعہ سے میرا انتقامِ محبت لینے والے، ابن عم خدائے کعبہ تمہیں اپنی حفاظت میں رکھے،

نصرت و شہامت کے پرچم لہراتے وادی قمتین میں مبارک قدم واپس آؤ ——— ؟

کیا تمہیں خبر ہے تمہارے گھر کے پیچھے، تمہارے ہی قبیلہ کے ایک گھرانہ میں عذرا نام، تمہاری بنتِ عم، حیا و غیرت سے منہ چھپائے، سینے میں ایک شعلۂ محبت دبائے قبیلے کی لڑکیوں سے الگ سہیلیوں سے بیزار، تمہاری یاد میں مجروح، سلمٰی کے مطاعن سے زخمی، غمگین، بے قرار، نہ تندرست نہ بیمار، ایک آزار میں مبتلا ہے، کہ رہتی ہے ———"

ہاں سلمٰی کی تکلیف دہ چھیڑ، نشتر سے سوا ہے، اب میں نہ روؤں گی۔!

انتظار کی محویت پر، اب اضطرابِ الم قابو پا جانے کو ہو گا؟

ہائے کیا لیلیٰ کی طرح مورد مطاعن و استہزا ہو جاؤں گی؟ قبیلے کی لڑکیوں میں روز چمگیں، اور کانا پھونسی ہوتی ہے کیا کروں گی؟ ——— کہہ دوں گی؟!

جسم کی ہیئت قائم ہے، اور اندر گھن لگ گیا ہے، وہ تندرست جانتی ہیں، مجھے آزار ہے۔ وہ عذرا کو اچھی خاصی سمجھتی ہیں اور یہ بیمار ہے؟

میں کب تک حیلے کروں اور وہ باور کریں، میں کب تک عذر کروں اور وہ پذیرا کرتی رہیں، مدتیں گذر گئیں ان کے کھیلوں میں شریک نہیں ہوتی۔ وہ شبِ مہتاب میں کوئی کھیل، کھیلتی ہیں میں چپ رہتی ہوں۔

وہ صبح ہی صبح چشمے یا تالاب پر چلنے کو کہتی ہیں، میں فکر عذر میں گھل گھل جاتی ہوں ——— کمبخت مر بھی نہیں چکتی کہ روز کے بیماری کے بہانوں سے چھوٹ جاؤں ———!

بہت چاہتی ہوں کہ کوئی گھڑی تمہاری یاد سے چھٹکارا پاکر ہوش و حواس میں آجاؤں اور سلمیٰ سے دو باتیں کرکے قبیلے کی اور لڑکیوں کے شک و شبہ کو دور کردوں، مگر آہ نہ یاد کم ہوتی ہے اور نہ ہوش ہوا ہوتے ہیں، انہماک تصور اور کسی کی یاد۔ یاد سے شوق بڑھتا ہے اور پھر وفورِ شوق سے تمام عریان اور رنگین آرزوؤں میں ایک پر اشتعال ہیجان لہریں لینے لگتا ہے!

"محبت کی بیماری جب کسی کو آچمٹتی ہے تو دیوانہ بنا کے چھوڑتی ہے"!

ہائے رنجِ جدائی اور محبت کا عذاب، اس کی مسموم ہواؤں میں عشق و محبت کی دل خوش کن امیدیں مضمحل ہو، ہو کر، ہراس و یاس کی آغوش میں گر جاتی ہیں

جذباتِ شوق اور اُس کے ساتھ تمنائے ہلاکت انجام، حسیاتِ رنگین ماجرا، اور اس کے ساتھ آرزوئے ملاقات، وہ قریب ہو یا بعید، ایک خلشِ مبہم، اک دردِ پیہم، ہے کہ دل سے دوچار ہے!!

ہیں سوزِ پنہانی کا کب تک مقابلہ کروں گی؟ میں غمِ جدائی کو کب تک

سہہ سکوں گی؟ اب گھل جاؤں گی - اب تو مر جاؤں گی!۔

سلمیٰ، سہیلیوں میں جب اُن کا ذکر کرتی ہے تو میرے دل میں ایک پرسوز ہوک پیدا ہو جاتی ہے۔ ہائے میں تو کھل کے اُن کا ذکر بھی نہیں کر سکتی۔ حالانکہ اس سے زیادہ میرے واسطے کوئی موزون و محبوب شغل نہیں، ضبطِ الم سے جب عاجز آجاتی ہوں، تو بے اختیار رونے کو جی چاہتا ہے۔

مگر ہائے میں تو علی الاعلان رو بھی نہیں سکتی۔ میں نے کثرت سے اُن کا ذکر کیا، کوئی پوچھ بیٹھا تو اس قدر اُن کا ذکر کیوں کیا کرتی ہے؟ تو میں کیا کہہ سکوں گی؟

میں دل کے کہے پر کھل کے بے اختیار رونے لگی، اور کسی نے اس طرح رونے کا سبب پوچھا تو کیا بتاؤں گی ——؟

قبیلے کے دوسرے گھروں سے جب کبھی کسی کے رونے کی آواز آتی ہے تو میں انتہائے درد و غائتِ رشک سے گھبرا اٹھتی ہوں اور ڈرنے لگتی ہوں کہ کہیں عذرا نہ رو رہی ہو —— کہیں اور کوئی عذرا پیدا نہ ہو گئی ہو ——؟

میری تنہا محویتِ غم اور میری یہ طویل بے کس خموشی ہزاروں ذکر ہائے انبساط و نشاط کے اشغال سے بہتر ہے۔

مجھے تو اپنے غمگین اور بے قرار دل ہی سے انس و اختلاط ہے جس میں

میرے ابنِ عم کی پیاری یاد منمکن ہے!
مسرت ناآشنا، مجھے میری یہ بیمار اور افسردہ منظر، آنکھیں ہی بھلی، جو ان کے شوقِ جمال میں واہیں، اور اُن کے غمِ انتظار کی ماتم دار ہیں — !
ہاں جوشِ انتقام عذرا میں، ہشام بن ربیعہ سے گرم ریگستانوں میں مصروفِ جدال ابنِ عم! جلد مظفر و منصور واپس آؤ کہ عذرا ضبطِ بے حد سے عاجز آ کر اب خون تھوکنے لگی ہے!!



ایک نقاش کی موت

ایک نقاش کی موت

ادیب نقاش، ـــــــ کامیاب نقاش تھا اور با اختیار ادیب، اُس نے اپنی موقلم کی جنبشوں سے فلسفہ و حکمت کے دریا بہا دیتے تھے، اُس کا موضوعِ تخیل ہمیشہ "تحسینِ خلقت" اور "ثباتِ حیات" ہوتا تھا اور ان عنوانات پر اُس کو بارہا، اپنے افکارِ دماغی اور نوادرِ ذہنی پیش کرنے کا موقع ملا تھا ــــ!

پھر اُس کو اِس بات پر بھی ناز تھا کہ وہ مصنف بھی ہے اور نقاش بھی؛ علمائے نفسیات جن مسائل کو ذہن نشین کرنے میں بہ دقت کامیاب ہوتے تھے، اُن کو یہ اپنے موقلم کی چند سحر طراز کشمشوں سے واضح کر دینے پر قادر تھا ــــــ"

ایک زمانے میں یہ اپنے انہماک مشاغل اور مطالعۂ فطرت میں گم تھا، اتفاق سے اس شہر کے دار العلوم میں علمائے علم النفس کے درمیان طبائعِ انسانی کی بعض کیفیات پر ایک معرکۃ الآرا اختلافی مذاکرہ قائم ہو گیا، فسق، حیا، اطمینان اور انفعال اپنی تخلیق کے مدوجزر سے حیاتِ انسانی کا بیڑا جوڑھ کانے سے لگنے نہیں دیتے، ان کا تجزیہ و انشراح نہ ہو چکا تھا اور اصل مسئلہ اپنے اسلوبِ نشر اور ادائے نقد کے لحاظ سے ابھی منغلق ہی تھا کہ یہ ادیب نقاش بھی اس

طرف ملتفت ہوگیا ـــــــ''

اُس نے فوراً اپنی جانب سے ایک نمائش مصورہ کا اعلان کیا، اور مقررہ تاریخ پر، مجمع عام کے سامنے، اپنی قوتِ فکر اور ذہانت کے چند نقوش، ایسے برافگندہ نقاب کیے جن سے عوام مبہوت رہ گئے، اور علما، حیران ـــــــ!!

چشمِ ناظر کو سب سے پہلے جس مرقعِ ہدایت نے اپنی جانب متوجہ کیا وہ ان خصوصیات پر مشتمل تھا!

موسمِ برشگال کی ایک ولولہ انگیز فضا، دور تک سبزۂ خودرو، افق میں ایسے بادلوں کے چھوٹے، بڑے ٹکڑوں کا پھیلاؤ اور جماؤ، جو برس کر کھل جانے کے بعد اکثر دیکھے جاتے ہیں، پھولوں کے ایک کنج کے پاس ایک نابنیا پیکرِ نسوانی کا نقشِ رنگین کھینچا گیا تھا، کتان کی باریک چادر میں جسم کچھ ڈھکا کچھ کھلا، ظاہر کیا تھا، تمام اعضا و جوارح سے تکمیلِ نمو ہویدا تھی اور نہایت قدرت کے ساتھ شہرتِ صحت کا رنگ بھرا گیا تھا ـــــــ اور اس کے نیچے ''التہابِ شباب'' اور قوسین میں (فسق) لکھا ہوا تھا ـــــــ!

دوسری تصویر کا منظر صرف اس نزاکت کو محیط تھا کہ ''چھوئی موئی'' کی ایک شاخ اپنی فطری حالت پر نمایاں کی گئی تھی، اہلِ نظر میں چرچا تھا، ادیبِ نقاش نے شاخ کی لچک اور پتیوں کی رعنائی اور اُس کی خوئے منفعلہ کو

بڑی قابلیت سے ضبط کیا ہے ۔ اس تصویر کا موضوعِ تخیل کیا تھا ——؟

"عصمت (حیا) ——"

تیسرے مرقع میں ایک معمر عابد کی غریبی اور مفلوک الحالی کو دردانگیز اسلوب سے دکھایا گیا تھا اور اس کے لبوں میں اس صنعت نگارش کو صرف کیا تھا کہ دیکھنے والوں کو معلوم ہوتا تھا کہ یہ لب اب جنبش کیا چاہتے ہیں۔ —— اس ہیئتِ متخیلہ کا عنوان "دعا" (اطمینان) تھا —— !

چوتھے پیکر مصور میں اک عجیب دلکش بات تھی، ایک معصوم، خوبصورت طفلِ نوخیز، کچھ سہما کچھ ڈرا، کچھ متلاشی و جویاء ایک میدان، اک وسعتِ خشک میں کھڑا ہے، گردن میں مائل بشیب اک خم، نظر میں آمادۂ عروج اک انکسار اور تھکاوٹ، لب تکلم سے بیزار مگر التجا کی تصویر۔ ادائیں سادہ مگر تضرع کی تفسیر —— اس کا عنوانِ نگارش آنسو (انفعال) تھا!! کچھ بیان نہیں کیا جاسکتا کہ اس سیلاب استعارہ و تلمیح، اور اس تموّجِ کنایات و تشبیہ سے سارے مجمع میں کس قیامت کی اک روشن لہر اِدھر سے اُدھر دوڑ گئی!

نمائش ختم ہوگئی ۔ اور ادیب نقاش کی شہرت میں مزید عزتوں کا اضافہ ہوا، مگر وہ ہمیشہ محسوس کرتا تھا کہ میری جودت و ذہانت کے یہ تمام نقوش میری

قدردانی کا ذریعہ تو ہو سکتے ہیں لیکن میری مشقِ فن کے لئے تکمیل کا باعث نہیں ——— اُس کی قوتِ متخیلہ ہمیشہ اسی فکر میں الجھی رہتی تھی کہ مجھ سے عالم کے اس سادہ سے ورق پر کوئی ایک نقش تو ایسا ثبت ہو جائے جو میری اصابتِ فکر، اور مشقِ بلیغ کے لئے سندِ تکمیل ہو ——— "

برس گذر گئے، فکر یوں ہی رائگاں رہی اور نقوش بے اثر و بے کار، اک شب وہ اپنے عہدِ ماضی کا جائزہ لے رہا تھا اور اُس کا خیال مصروفِ تصفیہ تھا کہ اُس کے منہ سے تاسف آمیز لہجہ میں نکلا " تمام عمر افرادِ انسانی کی کیفیات کو لکھا، جذباتِ عمرانی کے خاکے کھینچے، آثارِ تہذیب وتمدن کو نمایاں کیا، اور اخلاق و ذمائم کی شکلیں بنائیں ——— مگر حیف ثباتِ حیات" کا کوئی نقش میرے موقلم سے نہ بن پڑا۔ کاش میرے نگار خانہ میں کچھ نہ ہوتا لیکن اک نقش جس سے میری جمعیتِ نفسی سبق لے سکتی ——— !"

صبح کو اس شہر کے تمام چھوٹے، بڑے اس جانکاہ خبر سے آگاہ تھے کہ رات کو، اس بستی کا سب سے بڑا فاضل ادیب، اور فلسفی نقاش مر گیا، اور ثباتِ حیات؟ کا وہ نقشِ آخریں جس کو وہ اپنی زندگی میں پورا نہ کر سکا تھا، اس کو آج اپنی موت کے رنگ سے مکمل کر گیا ——— !

اس کے آس پاس اربابِ علم جمع ہیں، بائیں اور پائیں پر قدردانی

اور شہرت موجود، ادیب نقاش کے سیدھے ہاتھ کی جانب وہ دنیا ہے جو رفافت اور معیت کی دنیا کہلاتی ہے اور کھرے کھوٹے کو پرکھتی ہے اور دستِ چپ کی جانب اک کھلا ہوا باقی منظر ہے جس میں ادھر کچھ آثارِ تمدن و تہذیب نظر آتے ہیں اور اُدھر کچھ کنگرہ ہائے ایوانِ امارت۔ اور یہ وہ عالم ہے جو بہر طور مٹ کر رہے گا ــــــــ اسی جانب کا ہاتھ کھلا ہوا ہے اور دراز، جو استعارہ ہے قیامِ بے ثبات، اور تہی سامانی کا۔ سیدھے ہاتھ کے قریب اک تسبیح پڑی ہوئی ہے جو ادیب نقاش نے اپنے تمام عمر کے گدازِ قلب اور نمِ دیدہ سے مرتب کی ہے ــــــ بیہوش انسان! اب اُس کے حضور پیش ہونے والا ہے جہاں یہ متاعِ عزت، نقوشِ مادی یکسر نقطۂ بے آب و رنگ ہو جائیں گے، اور پوچھا جائے گا کہ اس دفتر میں کوئی نقشِ عملِ صالح ہے تو پیش کر ــــــ آہ!

نقش فریادی ہے کس کی شوخیٔ تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

مُرجھائے ہوئے پُھول

"ہاں، یہ کملائے ہوئے پھُول، جو کسی اک رات کو، بس کے مرجھا گئے تھے، ـــــــ مجھے تو یہی کچھ عزیز ہیں!!"

دنیا کیا جانے کہ چاندنی رات کی ایک پر کیف داستان، حیاتِ شادمان کی اک مشغول و دلپذیر فرصت، شبابِ عشق سامان کا اک کامل عروج اور ان سب کی جمیل حکایتیں، ان ہی مرجھائے پھولوں کی آغوشِ افسردہ میں آسودہ ہیں!

یہ وہ زمانہ تھا جب کہ لیلائے شب نے اپنی ردائے حسین اتار کر اپنے تئیں صرف عریانی کر ڈالا، اپنے بے نقاب چہرے کی جمال آفرینیوں سے عالم کو سرشار جلوہ کر دیا تھا۔ ہاں اُس نے اپنی حسین لرزشِ تبسم سے کائنات میں اک تحریک مسرت پیدا کر دی تھی۔

یہ وہ دن تھے جب کہ حیاتِ انسانی اپنے اعمالِ مسرت کے مفہوم سے بیگانہ نہ تھی، ہاں جب کہ فطرت فریب روزگار سے ناواقف تھی۔ ـــــــ سادہ کار تھی۔

یہ وہ وقت تھا، جب کہ عشق دعوتِ اظہار داعیات کا موضوع تھا، دلکش!، اور محبت . . . . . . تمنّائے قلب کا عنوان تھی، دلفریب۔

دنیا زندہ تھی اور جینا عبارت زندگی سے تھا!!"

اب نہیں کہ سارا عالم چاندانی راتوں کے لئے ہاتھ پیر پیٹ رہا ہے مگر دنیا میں ایسی راتوں کا آنا موقوف ہو گیا۔"

آج نہیں کہ دنیائے حیات لطف و راحت کے لئے بے قرار ہے لیکن اس نوع کی شادمانیاں ہیں کہ اب کسی کو نصیب نہیں۔"

اس طرح نہیں کہ انسان زندگی کے لئے مشتاق اور زندگی شباب کے لئے حریص ہے مگر نہ انسان کو زندگی میسّر ہے اور نہ زندگی کے لئے شباب موجود۔"

آج کل یا تو کوئی زندہ نہیں رہتا، یا اگر زندہ رہتا ہے تو وہ جوان تو قطعاً نہیں ——— ہوتا!!"

پھر اے تسنیم تو ہی بتا میری حیاتِ نزہت آرزو، اس حال میں، "تازے پھولوں کی تلاش سے خاموشی اختیار نہ کرے تو کیا کرے؟" تو مجھے جس قدر چاہے طعنے دے، جتنا چاہے ستا مگر میں تو جب جانوں کہ تو کسی تدبیر سے میری راتوں کے گم شدہ نور کو ڈھونڈھ لائے! میری غمگین حیات کی روائے تپش کے لئے کوئی صورت نکال کہ اُس کی بہجت فزائی واپس آجائے!

میرے شباب اضمحلال زا کے لئے کوئی طریقہ سوچ کہ جس سے اُس
کی جذبات آفرینیاں پھر زندہ ہو جائیں! ورنہ پھر یہ سوگوار راتیں۔ بیکار زندگیاں
اور بے کیف عروجِ زمانی۔ دنیا ہی کو مبارک رہے۔ اُن کی طرح بیں نو شگفتہ
پھولوں کی سعیٔ وتلاش سے درگذری ــــــــــــ"، اور اُس وقت
تک کہ دنیا اپنے صحیح مقصدِ تلاش کے لحاظ سے اپنی راتوں کی چاندنی کے
لئے بے قرار، اپنی معنوم زندگیوں کی دلپذیر فرصتوں کیلئے بیتاب، اور اپنی
جوانیوں کے نشاطِ خلش آفریں کے لئے مضطرب ہے، "ہاں یہ کملائے ہوئے
پھول جو کسی رات کو بس کے مرجھا گئے تھے

مجھے تو یہی کچھ عزیز ہیں!!"

دنیا فریبِ تعیش میں اپنی روح کی طمانیت کو گنوا دے اور اپنی حیات
کی شعریت کو مجروح کیا کرے، اس کو اختیار ہے میں کیا کروں کہ میرے ہاں تو
راتوں کا کوئی مفہوم ہی نہیں اگر اُن میں کسی کے لئے جاگنے کا اور جاگتے
رہنے کا سامان نہیں ــــــــــ"

میرے ہاں زندگی کسی شے کا نام نہیں اگر اس میں کسی خلش فرما ذات کے
لئے نفس پرستش کی آمد و شد نہ ہو ــــــــ"

جوانی کسی قدر و منزلت کی سزاوار نہیں، جب تک کہ وہ حصولِ مسرت
اور تکمیلِ داعیات کا عنوان نہ بن جائے!

پھر جب کہ میری راتیں اندھیری، میری زندگی مصروفِ یاس، میرا شباب ماتم دار الفت ہو اور میں بہمہ حیثیت علم بردارِ حرماں ہوں، تو اے تسنیم تو ہی بتا کیوں کر نہ میں رات کو، دن کی غمگینیوں کا ایک داغ کہوں، جو اندمال جراحت سے محروم عریانیوں کے ساتھ تاسف نما شا ہے۔

اور کیونکر نہ اپنی زندگی کو حیاتِ غم کا خلاصہ کہوں جو نصیب غیر ہو کر میرا مقدر ہو گئی"!

دنیا والے چاندنی راتوں میں اپنے رنگین افسانوں کو دہرایا کریں انہیں اختیار ہے ——!

ارمان والے شاداب و شگفتہ پھولوں کو برباد ناکامی کرتے رہیں، اپنی زیاں کاری کے وہ خود جواب دہ ہیں،

یہ کملاتے ہوئے پھول جو کسی اک رات کو بس کے مرجھا گئے تھے، مجھے تو یہی کچھ عزیز ہیں"

اور میرا افسانۂ عہد گذشتہ تو ان ہی افسردہ ہستیوں کی پریشان حالیوں سے وابستہ ہے!!

نیرنگِ التفات

تیری بزم کا ایک مشہور دستور چلا آتا ہے کہ یہاں تو جو آئے عاجز بن کر آئے، عاشق ہو کر آئے، بندۂ محبت اور پرستارِ الفت کی شان اختیار کر کے آئے، اس دربار میں خودسری کسی کی نہیں چلتی، یہاں اقتدار خواہیاں اور متمردانہ سرکشیاں، ملیامیٹ کر دی جاتی ہیں۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں انسان کی خداوندانہ جسارتیں، اور مردانہ مطلب برار طاقتیں سرنگوں ہو جاتی ہیں، چنانچہ یہ سب جانتے ہوئے میں قانونِ باریابی سے آگاہ ہو کر اور آئینِ حضوری کو سیکھ سمجھ کر تیرے حضور سراپا افتادگی و الحاح ہو کر آیا۔ مجسمۂ عجز و انکسار بن کر پیش ہؤا اور تبختر و تعزز کا کوئی جذبہ ایسا نہ تھا جس کو تیرے لئے فراموش نہ کر دیا ہو ——— مگر اے نوازش فراموش حسینہ! جس قسم کی مہربانیاں کی ہیں، جس نوع کے لطف تو نے کئے ہیں میرا جی ہی جانتا ہے، تیرے حسنِ مطمئن کی، شادمانِ خلوت ہیں، میں اکثر حصولِ انبساط کے لئے حاضر ہؤا۔ لیکن کیا کبھی ایسا ہؤا ہے کہ میں دل شکستہ ہو کر واپس نہ اٹھا ہوں ——— ؟!

مجھے تیری اس بے اعتنائی کی شکایت کا، تیری اس بے التفاتی

کے شکوہ کا یوں تو کوئی حق ہی نہیں لیکن سمجھتا ہوں کہ تیرے حلقۂ اسیران خلش میں سے ایک میں بھی ہوں، نہ ہو کہ رسم راہ دل ریشی سے ناواقف رہ جاؤں، اس لئے پوچھتا ہوں، بتادے اے جمیل رقاصہ! کیا تجھے اپنے اس طلسم توجہات کی پیچیدہ اثری کا صحیح صحیح علم واحساس ہے؟ کیا تو جانتی ہے کہ تیرا اسراب تلطف تشنہ کامان عنایت کے حق میں کیا کیا مصیبتیں ڈھاتا ہے؟

مَیں یہ نہیں کہتا کہ تو ہر جانباز کی آمد پر اپنے شاداب ہونٹوں کے خفیف سے معنی خیز تبسم کو ترک کردے اور آنے والے کو یوں شرف پذیرائی عطا نہ کر، میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ تو اپنے سے رخصت ہونے والوں کے لئے سرو قد تعظیم کے لئے نہ کھڑی ہو، اور ان پر اپنے جوش التفات واحترام کو ظاہر نہ کر ―― مجھے اس سے بھی کوئی غرض نہیں ہے کہ تو ساری ہی بزم کی دلداری نہیں کرتی، سب پر یکساں ملتفت کیوں نہیں رہتی۔ اس طرح کہ پیہم کسی کو پوچھا جارہا ہے اور حاضر باشوں میں سے کسی پر گھنٹوں گذر گئے، کہ التفات ہی نہیں۔ اسی کو، کہ کل جس کی بار بار یاد تھی آج کہ وہ حاضر ہے مگر قطعاً فراموش کر رکھا ہے، مجھے اس سے مطلب نہیں کہ تیرے ہاں آنے والوں کا استقبال متین اور مضمحل ہوتا ہے اور ابتداءً گفتگو پُرجوش اور پھر جذبات پر اداسی چھا جاتی ہے اس حال میں کہ خود دار آنے والا ارمانوں سے پُر دل لاتا ہے

اور مایوسیوں سے بھر لیتا ہے، یقین ہے وہ دوسری مرتبہ جرات آنے کی کرتا اگر رخصت پر نہایت خلوص سے عذر اضمحلال نہ کر دیا جاتا۔ میری گذارش درد تو یہ ہے میری التماس حزیں تو اتنی ہے کہ بے طلب آنے والوں کے لئے تو جتنی چاہے سزا مقرر کر، تیرے ذوق کی لطافتوں کو جو غارت بدذاتی کریں، تو جو چاہے اُن کے ساتھ سلوک کر ——— مگر خدارا اس کو تو نہ بھول جا کہ تو نے اپنی خوشی سے یہ وقت میری داستانِ غم سننے کے لئے مختص کیا تھا، تو نے اپنی رضامندی سے یہ گھڑی لطفِ تنہا کے لئے مخصوص کی تھی۔ تو نے اپنی مرضی سے، اپنی خلوت کی یہ ساعت مجھے دے دی تھی، پھر کیا محبت کے اس گلہ سے درگذروں کہ غمِ دل کی کہانی سننے سے پہلے یہ سامانِ رسوائی کیوں جمع کر رکھا ہے۔ مجھے تو تخصیص صحبت کی مسرت عطا کی تھی۔ یہ اغیار کی صحبت میرے سکونِ فراغت کے لئے پھر کیوں مہیا ہے مجھے تو خلوت کی سادگی اور اُس کا اطمینان، تنہائی اور اس کی ذوقی اختراز مسرتیں اس لئے بخشی تھیں کہ تفصیل سے دردِ پنہانی گوش گذار ہوگا۔ پھر یہ اربابِ استہزاء کیوں موجود ہیں؛ اچھا نہ سہی یہ بھی تو پھر بھی خجتے استغنا کہاں محمود ہے کہ حسب طلب تیرے کوئی تیرا والبتہ آئے۔ اور تو اُس کی خاموش دلجوئی کے بدلے گھر کی ترتیب، ملازموں کی تادیب بچوں کی تہذیب میں مصروف رہے اور گھنٹوں نہ پوچھے، کہ کون آیا، کیوں آیا۔ ہائے تیری خلوت

سکون دیتی ہے اور نہ جلوت، اس میں خلشیں تنہائی کی رہتی ہیں، اور اس میں تلخیاں بڑھ جاتی ہیں ہنگامہ کی، خلوت میں یہ غم کھائے جاتا ہے کہ اب تو کوئی نہیں مگر سب کچھ ہوتا ہے اور جلوت کہ اس میں سب کچھ ہوتا ہے تو کچھ نہ ہونے کی فکر ہے، ایسا کبھی نہیں ہوا کہ من مانی خلوت نصیب ہوتی یا اُن کی جلوت رونق وہنگامے سے محروم! اے حسینہ! تجھے خلوت میں اگر کوئی شغل خاص نہیں ہے تو کم سے کم اپنی توجہات ہی کو عام رکھ۔ بھرے مجمع میں تیری وابستگیوں کا خاص ہو جانا جلوت کا خلوت ہو جانا ہے جو یوں تو کبھی مناسب نہیں۔ اظہر دل گرفتہ سہی! لیکن اس کے لباس میں خوش مذاقی کی تلاش ہے اور میرے زخمِ عریاں کی سعی اندمال سے بے پروائی ہے!

مقصود دلگیر سہی، اُس کے ذوقِ ادبی پر نوازشِ تحسین مبذول ہے اور میرے جذباتِ شعری پامال کئے جا رہے ہیں!

تجھے اپنے پرستش والتفات کے صرف کا حق حاصل ہے مگر یا یوسیال کسی کی ہوا منِ لطف نہ پکڑلیں۔ میں پوچھتا ہوں۔ متین کی ریشمی قمیص تمہیں پسند نہ آئی نہ سہی اُس کا رنگ تمہیں اچھا نہ معلوم ہوا۔ اُس کی قطع تمہیں نہ بھائی، نہ بھائے، "آخر غیروں کے تہذیبِ ذوق پر ہمارا کیا حق ہے، تم نے جو صاف کہہ دیا کہ "متین یہ پہناوا کیا نکلا ہے" مردوں کو یہ لباس اچھا

نہیں لگتا" ——— اس کے دو ہی پہلو ہو سکتے ہیں یا تو صاحبِ لباس سے اس قدر تعلقِ ذوق ہے کہ اس کی ترتیبِ لباس و انتخابِ اقسامِ پارچہ و رنگ اور حسنِ قطع تک آپ کو دخل اور آپ کے احکام کا نفوذ ہے اور گوارا نہیں کہ منظر کی جاذبیت میں کوئی چیز بھی نقص پیدا کرے یا پھر یہ کہ اختلافِ مذاق ناقابلِ برداشت ضرب ہے اور اپنی سادگیوں کا اعلان کر دیا جاتا ہے بہر نوع یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ تیرے اظہارِ ذوق کا یہ طریق دوسروں میں ادائے جاذبیت کا پندار پیدا کر دیتا ہے اور یہ نہیں تو کم سے کم سب کو یہ محسوس ہونے لگتا ہے کہ حسینہ کو اس ذات سے ضرور کچھ نہ کچھ دلچسپی ہے۔ تجھے کیا ضرورت ہے جو کسی میں تفاخر کی شانیں یوں پیدا کرے اور کسی کو رقابت و رشک کی آگ میں اس طرح جھونکے، ایسے مباحث سے اے حسینہ تجھے کیا سروکار جس میں کسی کی نسبت تری دلچسپیوں کا الزام قابو پا سکے ———"

مگر تجھے ان نسبتوں سے کیا ڈر ہے تیرے افکارِ معاشقہ کی کامیابی تو اب دوسروں میں خوئے التہاب پیدا کر دیتا ہے تجھے پاسداریٔ الفت سے کیا مطلب تیرا مقصود تو صرف اس آگ کا کسی میں لگا دینا ہے، ہائے میں تو یہی دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ میں اب اندمالِ جراحت کہاں سے چاہوں۔ میں تلافیٔ مافات کہاں کروں!

عاجز ہو کر آیا تھا۔ عاشق ہو کر حاضر ہوا تھا بندۂ محبت بنا رہا، پرستار

الفت کی حیثیت سے سرمو انحراف نہ کیا۔ مگر اے جمیل معنیہ! تو نے کیا اپنے دستور کو پورا کیا اور محبت کا بھی دستور ہے؟ کیا عاجز نوازی کی یہ شان ہے کیا عاشق کو یوں نوازا جاتا ہے؟ بندگی کا انعام کیا ملا پرستش کا صلہ کیا نصیب ہوا۔ ——— ہائے؟

دنیا ذلیل سمجھتی ہے اور میری رسوائیاں سخت عبرت ناک ہیں حقیقت تو یہ ہے کہ تیری زندگی کا خلاصہ یہ ہے کہ تو ایک شعبدہ ہے عمل کا جس کو حقیقت افکار سے قطعاً تعلق نہیں اور جو تیری فریب کاریوں کے اسیر ہیں وہ دیوانے ہیں۔ اور ناداں ہیں۔

اُن سے دُور

اُن سے دور، میری اکثر راتیں، اسی سونچ میں کٹتی ہیں کہ ہائے یہ بھی کیا انداز ادا شناسی ہے کہ اس وقت جب کہ میری شوق ماجرا تمنائیں، زبان آشنا نہیں ہوتیں تو وہ مجھ پر کرم ہی کرتے ہیں لیکن اُس وقت جب کہ میری ترحم خواہ آنکھیں عرضِ مدعا کی تصویر اور عجز و التجا کی تمثالِ غریب ہوں، جب کہ وہ اک گذارشِ حزیں اور ایک التماس درد، کے لئے مضطرب اور بے چین ہوں، تو ہائے وہ کس طرح اجنبی اور انجان بن جاتے ہیں، اُن کی شوخیاں کس درجہ راز ناآگاہ ہوتی ہیں، وہ کس طرح سیدھی سی بات میں ابہام پیدا کر دیتے ہیں، وہ کیونکر جو میں کہنا چاہتا ہوں خوبصورتی سے ٹال دیتے ہیں۔

آہ! وہ اشتیاقِ غیر منقش کی پذیرائی کو آمادہ ہیں مگر میرے شوقِ رنگین کی مہمانیاں اور مہمان نوازیاں انہیں منظور نہیں ——"

چار و ناچار ہی سہی مگر میرے سادہ جذباتِ محبت پر وہ لطف ہی فرماتے ہیں، لیکن میرا جوشِ نشاط اور متہیج تمنائیں سُن کر فوراً ہی خفا ہو جاتے ہیں، آہ!

اُن سے دُور میری اکثر راتیں اسی سونچ میں کٹتی ہیں!

کاش کوئی ان سے جو لطفِ شوق سے بیگانہ، اور اداب ناز کی خوگر ہیں، اُن سے، ہاں اُن متین آنکھوں سے پوچھے کہ تمہاری یہ کافرادائیاں، کسی مضطرب دل کسی پر اضطرار امید میں جرات وجسارت کا کوئی حوصلہ باقی چھوڑیں گی یا نہیں"——؟

میں کس کی زبانی یہ پیغام بھیجوں؟ میرے اُن کے درمیان تو کوئی رازدار بھی نہیں؟ کاش کوئی ان سے اتنا کہتا، کہ روز نہیں، کبھی ہی کبھی سہی، لیکن اک اس وقت، جب کہ میری بے تابیٔ دل اور میرا شوقِ بے حد، مجھ مجبور کو تیرے حضور لا ڈالے، تو، تو اک اس وقت مجھ سے ملاطفت و نرمی سے پیش آجایا کر"!

اُن سے دور میری اکثر راتیں اسی سونچ میں کٹتی ہیں،!

اُن کی جفائیں، اور ستم ہائے بے جا۔اِس درجہ مجھے برباد نہ کریں جس قدر کہ یہ اُن کی سادگیاں اور سادہ ادائیاں مجھے تباہ کر رہی ہیں، اغیار کی صحبتوں میں جب کہ میں غیرتِ محبت سے مرا جاتا ہوں، ہرگز نہیں چاہتا کہ وہ مجھے دیکھیں؛——لیکن وہ سرشار آنکھیں، مجھے ہدفِ نظر بناتی ہیں اور یہ زہر کا پیالہ مجھے پینا ہی پڑتا ہے، پھر موسمِ برشگال، اور باغ کے اس کنج میں جہاں پھولوں کا ڈھیر لگائے کوئی تنہا، اپنے کچھ خشک اور کچھ بھیگے ہوئے ملبوس میں لطفِ باراں و بہار اٹھا رہا ہو، اُس سے اب میں چاہتا ہوں کہ وہ مجھے بھی دیکھ لے،

بلائے! مگر کیا ممکن جو غلطی سے بھی اب کوئی دیکھا جائے ــــــــ !

میں ہنگامِ باد و باراں ہیں پہروں اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر پھرا کیا ہوں کہ اس آبشار کی شرکتِ نظارہ شاید شریکِ لطف کرد ے! اس گلاب کے تختے میں جا کھڑا ہوتا ہوں کہ اب ضرور دیکھ لیا جاؤں گا، مگر اُف رے کافرادائی، کبھی بھول کر بھی نظر نہ اٹھائی، میرے دن تو ایسے ہی افکار میں گذرتے اور اُن سے دور میری اکثر راتیں اِسی سونچ میں کٹتی ہیں!!

بیتابی سے مجبور، دل کا پیغامِ شوق پہنچانے کسی کسی رات میں ان کے پاس جاتا ہوں" ــــــ مگر اس حالت میں کہ ساری رات بے خوابی سے آنکھوں میں کٹے اور اُن کے محبوب تصور سے میرا شوقِ دل باتیں کیا کرے، چاندنی رات اور وہ صحنِ گل زار میری خوش آمد آمیز التجائیں جب کسی کو شراب سے سرشار کر چکیں جب کہ کیفیتِ رنگین سے کسی کی تمکنتِ جوانی اور درشتی مزاج زائل ہوگئی، وہ مئے انگوری کا لطیف سرور اور وہ شباب کی مست امنگیں جب کہ اُن کے غضب و غیظ کو فرو کر چکیں تو خوش قسمت کہیں اک لذتِ خوش کا دعویدار بن گیا ــــ میری افسردہ حسرتیں و الہانہ جوشِ پرستاری کے ساتھ ایسی حسین تمناؤں کا اظہار، حسن کے دربار میں کرنے لگیں، کہ جن کا اس سے قبل مجھے استحقاق کیا معنی گمان بھی نہ تھا، ــــ اِن سے مالوف ہو جانے کا حوصلہ مجھے اپنے آپ میں محسوس ہوا، اور میں نے انکے، ایسی بے تابی سے بغل گیر ہوکر بوسے لئے، جیسا کہ بوسے لینے والے

جوشِ لذت سی بے خود ہو کر بغل گیر ہو جاتے ہیں، یہ سچ سمجھو یا جھوٹ بہر حال کچھ ہو، اُن
سے دور میری اکثر راتیں اسی سوچ میں کٹتی ہیں!!!"

میری حیاتِ غمگین کا ہر لمحہ اسی فکر میں گذرتا ہے کہ اے ربُ العجائب!
میں جس کو پیار کرتا ہوں میں جس کی محبت کے ولولے اپنے دل میں محسوس کرتا ہوں
کیا وہ کسی دوسری دنیا کی مخلوق ہے؟ مجھ پریشان حال مہجور کے نزدیک تو وہ
"اک دل نشین خواب" اور "ایک دلآویز خیال" سے زیادہ کوئی حقیقت نہیں رکھتے،
—— گذشتہ ایام فرقت کو دیکھتا ہوں تو کہتا ہوں کہ یہ طویل زمانہ ہجر و
مصیبت کا کیونکر گذر گیا، ؟ حال کی تلخیٔ زیست کو محسوس کرتا ہوں، تو حیران ہوں
آئندہ کیونکر بسر ہوگی —— !

سب کے بعد جب وصل کی امید سامنے آتی ہے تو بھی تعجب ہوتا
ہے، مجھے کیونکر ایسا اتفاق نصیب ہو سکے گا؟

میری تمام آرزوئیں محبت کے ساتھ برباد ہیں اور اُن کے تمام جور
وستم حسن سے تعبیر ہوتے ہیں،

ایسی کیوں گذرتی ہے؟ یہ مجھے معلوم نہیں!

اس طرح کب تک بسر ہوگی؟ یہ میں نہیں جانتا ہاں مگر —— اس
امر کا میں شاہد ہوں کہ

"اُن سے دُور میری اکثر راتیں، اسی سوچ میں کٹتی ہیں!!!"

محبّت ایک داغ دار پھول ہے

اک زمانے میں محبت کے خوشنما و دلکش پھول کو سینے سے لگا لینے کا رواج ہی نہ تھا۔ سینے ویران تھے، اور پھول یونہی بے کیف!

سمنستاں والے کہتے ہیں پہلے پہلے اک مضطرب سے انسان نے محبت کے اس شاداب و شگفتہ پھول کو چھاتی سے لگایا۔

پھول کو مٹھیوں میں بھینچ کر چھاتی سے مسلا، دیکھنے والوں نے دیکھا، پھول مرجھا گیا، افسردہ ہوگیا!!! اور اُس کی پنکھڑیاں نڈھال ہو کر بکھر گئیں۔

سمنستان والوں میں دنوں تک چرچا رہا کہ گل کے اجزائے ساخت میں کچھ کمی و بیشی ہو گئی ہے۔ اُن کے وطن میں اک بزرگ نے آخر تحقیق کر کے یہ معلومات اک جلسۂ عام میں، سمنستان کی ملکہ کے سامنے پیش کی۔ کہ انسان جس نے سب سے پہلے پھول کو چھاتی سے لگایا ہے اُس کے پہلو میں اک پھول دریافت ہوا ہے۔ اُس نے ہمارے پھول کی جنسی اتحاد کی بنا پر پذیرائی کی۔ چنانچہ ہمارے پھول نے اپنی رنگینی اپنی داغ دار شعریت الشانی پہلو کے پھول میں منتقل کر دی۔ اور خود

مرجھا گیا بکھر گیا، اب اجزائے گل کی ترکیب اگر داغ و رنگینی سے خالی ہو
تو اے ملکہ کوئی نذارک اب ہو ہی کیا سکتا ہے۔

اُدھر انسانوں میں بھی محبت کے لئے اب مشہور ہو گیا ہے کہ محبت
اک داغدار پھول ہے۔ یا محبت وہ، جس کے لئے پھول بھی داغدار ہے*

اسیرِ ازدواج

تم مجھ سے کچھ کہو یا نہ کہو مگر اس بات کا یقین کر لو کہ تمہاری موجودہ زندگی کی ایک وہ خلش جس کو تم نے ہمیشہ کیلئے راز بنائے رکھنے کا تہیہ کر لیا ہے، وہ آہستہ آہستہ مجھ پر افشا ہوتی جا رہی ہے میں باوصف تمہاری اس سعی اخفا کے، تمہارے اندر جو رستخیز انقلاب اور طوفانِ تغیر بپا ہے اس سے آگاہ ہو رہا ہوں میں یہ نہیں کہتا کہ تم مجھے اپنی تکلیفوں سے خبردار کر دو، مجھے اس کی فرصت کیوں ہو، جو کسی کی رسوائیوں سے اپنا دل دکھاؤں، مگر یہ سمجھ لو تمہاری یہ پژمردگی اور خاموشی اب ایک بھید بنتی جاتی ہے اور تمہارے احباب یہ کہنے پر مجبور ہو رہے ہیں کہ یہ طویل اضمحلال اگر کوئی دل کا چور نہیں کیا ہے؟!

اظہر تم آدمی ہو یا الہام ناقص، جو کچھ میں تم سے کہتا ہوں، اُس کو تم پذیرا نہیں کرتے! اور وہ جو میرے دل میں نہیں، خواہ مخواہ فرض کئے لیتے ہو۔ میں پھر کہتا ہوں نہ میرا کوئی راز ہے اور نہ میں کسی میں مبتلا۔ آپ کیوں صفائی سے گفتگو نہیں کر لیتے! میں تمہاری بھول میں ڈال دینے والی انسان کو سوچ میں مبتلا کر دینے والی قابلیت کا پہلے سے معترف ہوں، خواہ مخواہ مجھ میں تو للّٰہ

کوئی پندار پیدا کر دینے والی کوشش نہ کرو۔ ایسا نہ ہو میں سچ مچ دیوانہ ہو جاؤں!!

یوسف! تم ندامت سے زیادہ برباد ہوتے جا رہے ہو۔ اِس وقت میں کہا ہر شخص کہہ دے گا کہ محجوب ہو جانا ہی انسانیت کی ایک جبلی حس ہے مگر میں تم کو یقین دلاتا ہوں واقعہ کے خلاف، اس خوف سے کہ حقیقت کا افشا نہ ہو جائے، اگر کوئی بات آج کر گذرے اور کل پاسِ سخن کے لئے اُس کی حمایت کی تو سمجھ لو پھر یہ حماقت طویل ہو جائے گی۔ اور یہ جس قدر طویل ہوگی اسی قدر بلیغ ہوتی جائے گی! پایانِ کار تمہارے اندر انفعال و ندامت کے احساسات مضطرب ہونگے اور تمہارے باہر تصنع و فریب کے اعمال متحرک اس سے پہلے کہ تم دوسروں پر اپنا دل دکھاؤ، باور کرو تم خود اپنی حالت سے دوسروں کے لئے دعوتِ الم، اور پیامِ درد ہو جاؤ گے!!

اظہر میں نے پہلے ہی کہا ہے مہمل گوئی بڑا مشکل فن ہے پھر اگر آج اس کا اعتراف نہ کرلوں، تو سمجھتا ہوں تم اپنی تقریر کا جواب نہ پا کر ملول ہو جاؤ گے مجھے اقرار کرنے دو کہ میں تمہارے استہزا کا حریف نہیں، میں تمہارے پاس اسی لئے آتا ہوں کہ تم میرے جذبات کا خون کرو مجھے اس میں لطف آتا ہے کہ تم کچھ نہ کچھ کہا کرو اور میں تشنگیٔ ذوق کے ساتھ اس وسعت بے معنی میں ٹھوکریں کھایا کروں ——— !

یوسف! میں اب مجبور ہوں کہ تمہارے مرض کو لاعلاج سمجھوں، اور

مجھے الزام نہ دیجیئے اگر یہ کہوں کہ تم پہلے ہی میری نظر میں کچھ سے کچھ ہو رہے تھے، مگر اس تجاہل نے یقین دلا دیا کہ تم زیادہ حماقتوں پر جری ہوتے جا رہے ہو!

اچھا میں تم سے بالکل صاف کہہ دیتا ہوں کہ تم بیمار ہو

اور وہ بیماری تمہاری شادی ہو جاتا ہے

بی بی سے تم خوش نہیں

وہ بے پڑھی لکھی ہے اور تم نے احباب سے خواندہ کہا ہے!

وہ اول درجہ کی بدمذاق ہے تم نے خوش مذاق مشہور کیا ہے!

تم شہر سے دو تین ادبی رسائل کے ایڈیٹر، اور وہ محض جنگلی کبوتر۔ تم کو اپ ٹوڈیٹ میڈم کی ضرورت، اور وہ صرف میر خانہ اور داروغہ مطبخ ہے!

تم ذوقِ ادب سے عمدہ اشعار اور دلچسپ مضامین خوانی کے حریص، اور وہ ڈپٹی نذیر احمد مرحوم کی مراۃ العروس کی ہیروئن عاقل کی دلہن!

شادی ہو چکی۔ بی بی گھر میں ہے۔ ماں باپ فرض سے سبکدوش ہو چکے۔ اب الجھن ہے تو یہ ہے کہ اللہ یہ عمر قید، کون بھگتے۔ وہ قلم جو جذباتِ نسوانی کو جھوم جھوم کر لکھتا تھا سرنگوں ہو گیا ہے اور وہ دل جو نسائیت کا پرستار تھا اپنی شعریت کی بربادی سے متالم ہے۔

ایک طرف اپنی حیات و جذبات کی پامالی کا غم۔ دوسری طرف احباب میں بیگم کی آبرو اپنی آبرو سمجھ کر بنائے رکھنے کی دلخراش کوشش کی تکلیف۔

دوگونہ عذاب ست جانِ مجنوں را کا مضمون۔ یہ ہے وہ بات جو آپ، راز بنائے
جارہے ہیں اور یہ ہے آپ کی حیاتِ مشترک کا وہ راز جس کو آپ اپنی چھاتی
سے لگائے پھرتے ہیں۔

اَظہر میں نہایت کھلے دل سے آپ کی تقریر کے مفہوم کا استیصال
کرتا ہوں اور افسوس کرتے ہوئے آپ کے بیان کی تردید، آپ باور کریں
کہ آپ کے قیاسات کا بہت سا حصہ قطعاً غلط ہے، اور علی الخصوص۔

یوسف! میں نہیں سننا چاہتا اور وہ تو قطعاً نہیں سننا چاہتا جو
واقعہ کے خلاف ہے، میں تم سے تمہارے اس سے پیشتر کے کہے ہوئے
چند جستہ جستہ جملے دوبارہ کہلوانا چاہتا ہوں۔

آپ نے شادی کس سے کی؟

عجیب سوال ہے۔ جس سے شادی ہوتی ہے

شادی کس سے ہوتی ہے، جواب دیجئے!

شادی ہوتی ہے صنفِ نازک جنسِ لطیف کے کسی ایک منتخب فرد سے

جی، تو یوں فرمائیے شادی ہوتی ہے عورت سے!

اچھا آپ کو یاد ہے آپ کہا کرتے ہیں میں نسائیت کا پرستار ہوں۔

وہ نسائیت کیا چیز ہے؟

اظہر نسائیت نام ہے جنسِ لطیف و نازک کے گداز فطرت کا اور وہ

عورت سے جدا کوئی دوسری چیز نہیں۔

یوسف! تم گھبراؤ نہیں میں ابھی خلاصہ عرض کئے دیتا ہوں۔ سنو مردانہ سطحی جذبات کے بندے شباب کی تحریکوں سے متاثر ہو کر شادی کرتے ہیں اور اُن کی نظروں میں عورت نہیں، شے عورت قابلِ پرستش چیز ہوتی ہے اور اشتراکِ جنسی کے تمام قوانین منحصر ہیں اسی قسم کے جذبات پر، اور وہ مقصود اس اشتراک سے محض توالد و تناسل ہے۔

لیکن ایک وہ طبقہ جو اپنے آپ کو پرستارِ فطرت کہتا ہے وہ ان پابندیوں سے بیزار ہے۔ وہ کبھی نیچر کی سادگی کو آلودۂ معصیت نہ کرے گا اور باور کرلو ان کے ہاں عورت ایک اور چیز ہے اور نسائیت ایک دوسری چیز ہے۔ نسائیت کا عورت ہو جانا ممکن ہے مگر عورت کا پیکرِ نسائیت نہ ہونا تعجب خیز نہیں ہے۔

پھر وہ جو فطرت کے گدازِ پرستش کو آلودہ معصیت کئے ڈالتے ہیں نہایت بیوقوف ہیں اگر عورت میں نسائیت کی تلاش کرتے ہیں۔ عورت اپنی شے پرستش سے ایک گروہ میں مقبول ہے۔ ہو سکتی ہے۔ مگر نسائیت اپنی فطری سادگی و معصومیت کی وجہ سے تلوث سے لرزاں۔

پھر اظہر تم نے اگر عورت سے شادی اس واسطے کی ہے کہ اس میں نسائیت بھی ہوگی تو بتلاؤ تم کس قدر بیوقوف تھے۔ اور نہ صرف بیوقوف

بلکہ یہ سمجھتے ہوئے اور یہ پندار رکھتے ہوئے کہ نسائیت چیز ہے پرستش کی۔ تم نے نسائیت کو غارت استعمال کرنے کی جسارت بھی کی یہ تم کو گنہ گار بھی بنا سکتی ہے۔

تعجب ہے ایک ایسی حقیقت غیر فانی جو ہم سے ہمارے اظہار عبدیت اور اعترافِ عجز کی خواہشمند ہو اس کے حضور ہم خداوندانہ جسارتوں اور فرمانروایانہ قدرتوں سے جاتے ہیں جس منظر کی اچھوتی دلکشی، ہمارے لئے لذتِ نظارہ پیش کرے ہم اُس کو پامالِ غفلت کر دیں۔ ایک طرف تم نسائیت کی پرستش کا ادعا رکھتے ہو۔ دوسری طرف گداز فطرت کا اپنے ہی اعمال سے استہزا کر رہے ہو۔؟

اظہر! میں خوش ہوں آج اس بہانے سے تم مجھے پھر لذتِ ادب و شعر سے سرشار کر سکے تمہارے علوئے تخیل تمہارے رفعتِ فکر کا مجھ سے زیادہ کون مداح ہوگا۔

مگر اس بحث میں تم ذرا قوانین قدرت، اور منشائے اشتراک جنسی کو غلط سمجھے ہو۔ عام اس سے کہ تم میری اس تقریر کے اکثر حصص سے کیا معنی نکالو گے۔ میں پھر کہوں گا عورت، شئے عورت۔ اور نسائیت ایک ہی چیز ہے اور قدرت نے اس کو اسی واسطے وضع کیا ہے کہ مرد اُس کی آغوش مودت میں آسودہ ہو لیکن ایسے مواقع درد پر جب کہ تلاش ناکامیاب اور سعی ناکام رہے انسان جو چاہے کہہ سکتا ہے۔

قانون اشتراکِ جنسی اپنی برکات قدیم سے وہ رکھتا ہے جیسی کہ تخلیقِ آدم اول کے وقت اس رشتہ سے منسوب کی گئی ہیں میرے خیال میں اندازِ انتخاب اور طریق ایجاب و قبول پر اگر جانبین کے خود ساختہ مالک ذرا توجہ کر لیں تو یہ خیال اور عمل کی بربادیاں ایسی عام نہ ہوں"

یوسف! میں نہیں دیکھ سکتا کہ تم یوں اپنی حماقت کی جنبہ داری میں میرے ذوق کی جراحت روا رکھو۔

خدا کے واسطے میں کب مسئلہ مناکحت پر گفتگو کر رہا ہوں کہ آپ قاضی جی۔ اور جلدی سے عیالدار بن گئے

یوسف پیارے، دوست میں نفس اشتراکِ جنسی سے متنفر ہوں۔ اور میرا منشا یہ ہے جس کو دوبارہ وضاحت سے عرض کرتا ہوں کہ عورت۔ شے عورت سے محبوب ہے اور یہ کارآمد چیز ہے اُن بد مذاق و بوالہوس انسانوں کیلئے جن کے ہاں شادی ایک رسم بقائے نسل ہے اس سے مجھے بحث نہیں۔ مگر ایک وہ لطیف الخیال۔ غیور انسان، جو پرستار نسائیت ہے اس کے ہاں اس کی محض پرستش ہو سکتی ہے اور وہ کبھی اس منظر کی لطافت کو پامالِ معصیت نہیں کر سکتا۔

چونکہ تم بقول خود پرستار تھے نسائیت کے، پھر کی شادی اور سمجھا تو یہ کہ عورت میں نسائیت بھی ہوتی ہے، اب اگر تم کو اس اشتراکِ مہمل۔ اس تعلق لغو میں

تکلیف پہنچ رہی ہے تو کیوں تم اعتراف نہیں کر لیتے۔ کہ عورت سے شادی کی ہے نہ کہ نسائیت سے اور اس واسطے کہ نسائیت سکون پرستش ہے، اور عورت ہنگامہ لذت! پھر یہ ظاہر ہے سعی لذت میں سامانِ رنج و تعب پنہاں ہے اور خلشِ پرستش میں لطف ہے اک روحانی پس ٹھیک ہے جو یہ کہتا ہے کہ تم شادی سے ملول ہو اور رنجیدہ! شادی ہوئی عورت" سے مع الاشے جس کے پاس نسائیت قطعی نہیں ہے اور تم پرستار تھے نسائیت کے جہاں تلذذ فر جذبات ناممکن۔

اب۔

یہ قصور تمہارے ہیں کہ تم نے جامن کو انگور اور ناشپاتی کو سیب سمجھا یہ شادی ایک شاعر کے جذبات ادب و شعر کو قطعاً نہیں برقرار رکھ سکتی۔ مگر نسائیت کی پرستش، جو اس کے کاسۂ ادب کو ہمیشہ معمور رکھے۔

اشتراکِ حیات ایک نازک خیال ادیب اور خوش فکر صاحبِ قلم کے حیاتِ لطیف کی قطعاً نہیں پرورش کر سکتا! مگر گدازِ فطرت کی پرستاری جو اس کے عمق تخیل میں ہمیشہ غیر محسوس لطف فرمائیوں سے گوناگوں نیرنگیاں پیدا کر دے!!

سعیِ نارسا

ہائے، مجھے جس شے کی آرزو ہے، وہ مجھ سے دور، اور اُس کا حصول میرے لیئے کس قدر مشکل ہے؟"

میں انجام سعیِ بے سود، سے پریشان ہو، ہو گیا ہوں، مجھے میری ناکام جستجوؤں نے رُلا، رُلا، دیا ہے، تاہم افشائے راز، اور کمزوریٔ طلب کا کوئی پہلو، کبھی پیدا نہیں ہوا ہے!

میں اُن واقعات میں جب کہ میری مکمل کوشش، حصولِ مدعا میں ناکام رہے ہیں اُس گھڑی، جب کہ میرا شوقِ دل کسی کی طویل بے پروائیوں سے پامالِ مقصد ہو گیا کیا کرتا ہوں؟

آہ، غم و غصہ کی مختلف، کیفیات سے معمور دل کو، صبر و ضبط کی تلقین اور نصیحت کرتا ہوا گھر واپس چلا آتا ہوں —— "ایسا اکثر ہوتا ہے کہ میں ایک مسترد التجائے غمگین، اک غیر مسموع آرزوئے حزین، کی طرح واپس چلا آتا ہوں —— !!

کیا تو سنتی ہے؟

اُو، اپنی بھینسوں کو چراگاہ میں لے جانے والی، پرپیچ وادی کے نشیب وفراز میں، اِس طرح لجا کے، یوں کترا کے، اپنے آپ کو ایک مجھ سے، چھپا کے نہ جا ——— !" ہائے"!!

صبح ہی صبح، ایسی سردی میں، بالکل تنہا، اپنی بھینسوں کے دودھ، دُہنے میں مصروف، اے دیہات کی حُورا ——— آہ مجھ سے نہ شرما ——— آنکھیں نہ چُرا ——— !!"

شام کو، اُس سامنے والی پہاڑی کی چوٹی پر، قوس قزح کی بہار لوٹنے والی حسین دوشیزہ ——— مجھے دیکھ کر گردن نہ جھکا ——— جسم کو نہ سمیٹ ——— رُخ نہ پھیر ——— پہلو نہ بچا ——— !!"

سوکن کی پرفضا و شاداب وادیوں میں، ——— ایک قبیلے کے لوگ ہیں جو ایک جنوبی، حسین و سرسبز، وادی کے موڑ پر رہتے ہیں، اُن کی پیاری یاد، مجھے بہت محبوب ہے۔ کیا کہوں؟

ہائے جب اُن کا خیال آتا ہے، تو اُن میں کی ایک جمیل دوشیزہ، مجھے اپنی جمال آرائیوں سے ذبح کر جاتی ہے!

ہاں اس حسین قبیلے، کے لوگوں سے ایک، اُن جمیل انسان میں کی ایک؛ جو دو متصل آبشاروں کے سنگم پہ، رہتے ہیں، اُن میں کی ایک، میرے بہتے آنسوؤں سے خبردار ہے!

ہائے وہ جو دل کے خلوت کدہ میں متمکن ہے، ہر چند کہ اس کے دیارِ جمیل سے اب دور ہوں مگر یہ محسوس کر رہا ہوں کہ اب بھی وہیں ہوں "!

آسمان جیسی، بلندی پر بسنے والی خوبصورت مخلوق، ترے جمال سے محروم ہوں، مگر میری رفعت تمنا کا خلاصہ، اور میرے عروجِ فکر کا اختصار، تری حسین آرزو سے مالوف ہے"!

ہم نشین بے زار ہیں اور ہیں معذور، تری یاد جب بہت ستاتی ہے، تو ترے ذکر سے اب بھی جی بہلا لیتا ہوں ——"!

ہائے مجھے، جس شے کی آرزو ہے وہ مجھ سے دُور اور اُس کا حصول میرے لئے کس قدر مشکل ہے؟

پرستشِ صبح

ہزاروں میں سے، کسی ایک نے، کبھی یہ دیکھا ہوگا، کہ اپنے سامنے سے بھی، سہمی، ڈری، اک بھرپور جوانی ہے، کہ شرمائی، لجائی، بہت ہی صبح، تاروں کی چھاؤں، آبادی میں سے گزرتی ہوئی، شہر سے باہر اک ندی ہے کہ اس طرف جایا کرتی ہے —— !

ادھر —— کچھ دنوں سے، ندی کے کنارے کنارے، تمام آبادی میں چرچا ہے، کہ یوں تو ہمیشہ، لیکن چاندنی راتوں میں خصوصاً، شب کے آخری حصے سے آفتاب کے طلوع ہونے تک، کچھ ایسی خوشبوؤں سے بسی ہوئی ہوائیں آتی ہیں، کہ ہم میں سے بہت، جو، اُس وقت، ذرا بیدار ہوتے ہیں، تاب نہ لاکر مدہوش ہو جاتے ہیں —— !

یہ اک راز ہے، جس کی سب کو ٹوہ ہے !!

شب مہتاب کی نورانی سحر نے اس وقت جب کہ فضائے آسمانی ہیمائے خالص کی موجوں سے معمور تھی، مہتاب چھلکائی، سکوت آباد نوم میں ابھی خاموشی

تھی، خستگان خواب، ابھی سستانہ چکے تھے کہ اس شفاف پانی کی، ندی کے کنارے، جہاں غنچۂ نیلوفر، سرمستیٔ نسیم سے گرمِ اختلاط تھا - کچھ کھوئی ہوئی کچھ متلاشی سی آکھڑی ہوئی، پھر آج ہی نہیں، اس سے پہلے بھی، اکثر یہ یونہی آکھڑی ہوتی ہے ——!

اللہ ہی جانے اسے کس کی تلاش اور جستجو ہے؟

روز یونہی آفتاب طلوع ہوتا ہے! اور سپیدۂ سحر، ہم آغوش ملاحت لیکن سنہرے رنگ میں، نور کی خوش تاب، آمیزش کا معمّا اور بھی بلیغ ہوتا جا رہا ہے۔

صبح کی خنکی نمود روز کی حرارت میں تحلیل ہو رہی ہے! اور امتزاجِ سکوت والتہاب، اک چیستاں ہوتا جاتا ہے۔ سحر کے معمولات، اور دن کے وظائف عام سہی، مگر یہ محشرستانِ جذب وانجذاب، کیونکر پوچھا جائے ——؟

غنچے اپنی طرزِ واشدگی نہیں چھوڑتے، اور پھول، اپنی خلقتِ شگفتگی کا ناز —— بستی اپنی گزارشوں کا اختصار، کر کے تھک چکی! آباد معمورے، التجاؤں کا گورستان بن گئے! لیکن نتیجہ کچھ نہیں! متبسم ہونٹوں کو دعوتِ تکلم دی جا چکی، اور اشاروں کو فہمائشِ کلام! مگر بات وہیں کی وہیں ہے! اور نورِ سحر کی پہیلی اب بھی نکہت کی چیستاں ہے!!

کہا جاتا ہے، شراب کا رسا ہو جانا، سکر ہے! اور اُس کا اعتدال سرور، پھر مستیٔ شباب کے عروج، اور لطائفِ حسیات کے اعتدال کو، ہم اگر کسی قد آدم، نسائی شیشے میں، سرجوش دیکھیں! تو کیا کہیں ——— ؟

ندی کے پانی کے متعلق افواہ ہے! کہ وہ تو شراب ہو گیا ہے! اُس کی کیفیاتِ مایۂ بدل چکیں، اس لئے کہ روز جب ایسے شیشے، اس میں معتدل کئے جائیں! جو صہبائے تندو تیز سے لبریز ہوں، تو اُس کی تاثیر کے کیف آگیں ہونے سے کس کو انکار ہو سکتا ہے؟

صبح کی گلابیاں، لبریز مستی ہیں! اور نسیم محوِ ساقی گری! پھر دیکھ لیجئے گا، بیداریاں موردِ انعام ہونگی! اور خواب، نامرادِ لذت! دعا مانگیے کہ اب دنیا کا سو جانا مستی نام پائے! اور جاگنا جھومنا کہلائے!

اس وقت سے پہلے، کہ ندی کے کنارے، ہنگامہ زارِ حسن و عریانی برپا ہو، سب سے جُدا، سب سے الگ، شباب و شعر سے چور، اک لڑکی آئی ——— ! ٹھہری! پس و پیش پر اک نگاہ ڈالی! اور جوانی میں ڈوبی ہوئی اک انگڑائی لیتے ہوئے، آخری خمار شکن جمائی کے ساتھ، اپنے جسم سے لپٹی ہوئی ساری . . . . !

اپنے حنائی پیروں سے، پانی کو چھیڑا، جھکی، ! ——— پانی میں اپنے

حسن قیامت خیز کے جھلملاتے عکس کو دیکھا! کائنات پر اک نازآفریں نظر ڈالی! اور صنمِ محبت کے حضور، لحنِ صبحگاہی میں اپنی مترنم عریانیوں کو ہدیہ پرستش بنا کر پیش کیا ——!

دور دور تک ہواہیں خوشبوئیں پھیل گئیں!!

کیا تم کو مجھ سے محبّت ہے؟

ہا

میں نے اُن سے پوچھا، اس وقت جب کہ وہ، نہایت بے چینی کے ساتھ دادخواہانہ انداز سے ہاتھوں کو جوڑے، ہوئے، اور آنسوؤں سے ڈبڈبائی آنکھوں کو میری جانب اٹھائے - مجھ سے کہہ رہے تھے "پیاری مجھ پر رحم کرو"

میں نے اس وقت اُن سے پوچھا "کیا تم کو مجھ سے محبت ہے"

ہائے ان کو یہ نہیں معلوم کہ ان کی حالت سے کہیں زیادہ میں ان کی محبت میں، تباہ و زار ہُوں - میں اس التجائے محبت اس التماس درد سے بے تاب ہوگئی، اور میں نے اُن سے بے اختیار پوچھا، کیا تم کو مجھ سے محبت ہے؟

میرا جی چاہتا تھا میں اُن سے یہی پوچھے جاؤں، اور یہ بھی خواہش تھی کہ سچ سچ بات کہہ دوں، اپنی افتادہ حالت اُن پر ظاہر کر دوں، مگر آہ کچھ نہ کہہ سکی، اور یہ پوچھ کر، کیا تم کو ——— مجھ سے محبت ہے؟

ان کے جوڑے ہوئے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر میں تو بے اختیار رو پڑی!؟

ہائے مجھے کیا خبر تھی، کہ وہ مجھے، مجھ سے سوا چاہتے ہیں؟؟

رقاصہ

اے شاہدِ شوخ، اے مطربۂ جمیل، اے بے حجاب پیکرِ رقص و نغمہ، تیرے سامنے نوسر بکف جانبازوں اور آغشتہ بہ خون دل عشاق کی اک نہایت عریض و طویل صف کھڑی ہے جس کو دعوئے عشق اور ادعائے دل ریشی ہے۔ اور جس کے کارگاہِ الفت و التہاب کا تمام تر دارومدار تیرے گلابی ہونٹوں کی اک حسین مسکراہٹ اور تیری بے چین، پھڑکتی ہوئی آنکھوں کی اک بیتاب کن جنبش پر ہے!

وہ کون سا اک دن ہوا کہ جب تیرے حضور دلہائے دو نیم اور جگر ہائے سوختہ کی نمائش نہ کی گئی ہو!

وہ کون سی اک رات ہوئی جب کہ تیری گوش گذاری کے لئے فغاں ہائے لطف طلب اور نالہ ہائے رحم آرزو کسی کی جانب سے بلند نہ ہوئے "

وہ کونسی اک گھڑی کبھی خلوت میں ایسی ہوئی کہ جب دیدہ ہائے خونبار اپنی اس تمنا سے درگزرے ہوں کہ اس کے دادخواہانہ آنسو تیرے دامن ناز کا کوئی گوشہ تر نہ کردیں!!

اس سے تو کسی کو تعرض نہیں مگر خدا کے لئے اے مغنیہ ذرا تو ہی انصاف کر کہ تیری خلوت کا سکون تو اسی ہنگامہ پر موقوف ٹھہرا، اب اک وہ جو دلگیری کے اس انداز سے واقف نہ ہو، جو سرفروشی کی اس وضع کو اچھا نہ سمجھے جو ربط خاطر کی نازک حسیات کے ساتھ اس نوع کی دعوے داری کو بُرا جانے، جس کے جذبات کیف وکم سے سروکار نہ رکھیں، جس کو نمود و نمائش سینہ صد چاک کی عیب معلوم ہو،

آہیں تو درکنار وہ جو راز الفت کے خلاف منہ سے اف بھی نہ نکالے، نالہ تو بڑی چیز ہے، بھید کی بات پر جس کی زبان جنبش بھی چھوڑ دے، سیلاب گریہ بہا دینا تو ایک کام ہے، دل کا چور نہ پکڑا جائے۔ اس لئے اُن آنکھوں نے جن میں کہ آنسو بھر آئے تھے، اپنے کھاری پانی کو آنکھوں ہی آنکھوں میں شربت کا گھونٹ بنالیا ہو، ہاں وہ جو داغداریٔ دل کے بعد نہیں جانتا کہ اس تپش کو کیا کہے، —— وہ تجھے اگر چاہے تو کس طرح چاہے، وہ اپنی بے کسی اور بے بسی کو اگر تجھ پر ظاہر کرے تو کیونکر کرے۔ ایسی صورت میں تو اس کی محبت کا احترام مشکل ہے!!

تیرے گھر کی دھوم دھام شوریدہ سروں کے ہنگامِ وحشت سے ہی سہی مگر میں کیا کروں میری سمجھ میں نہیں آتا آخر اس گردن و دوش کے بارِ عظیم کو دیوارِ دوست اور آستانِ یار ہی کی کیوں جستجو ہے، جنون کے اس حوصلہ کا خون کی

ہو جانے کے لیئے بستی کے مکان اور ویرانے کے سنگین آثار کیا موجود نہیں ۔؟"

محبت کی رنگین داستانیں اور عشق فتنہ سامان کی غمگین کہانیاں اس لیئے ترتیب دی جائیں کہ کسی کا غمِ دل اُن پہ بہ لطائف الحیل موثر ہو اور یوں ہی قصہ الم ان تک پہنچ جائے ۔ یہ انداز گذارش حسین صحیح مگر یہ کسی کو بھی معلوم نہیں کہ درد والوں کی مضمحل خاموشیوں میں تو ہزاروں افسانہ ہائے متکلم پوشیدہ ہوتے ہیں ـــــــ"، نالہ ہائے نیم شبی سے کوئی اپنے خواب فراموش ہونے کا اعلان کیا کرے، شیونِ بیتاب دل پہ قابو نہ رہنے کی وجہ ٹھہرائی جائے مگر یہ بھی واضح ہے کہ خشک اور افسردہ ہونٹوں کی وہ بعض اوقات ایک بے اختیار چیخ ہوتی ہے جو مغموم دل کی بے کسی کو اس طرح ظاہر کر دیتی ہے کہ سننے والے دلوں کو تھام لیتے ہیں، اور یہ طرزِ کلام زیادہ فصیح و موثر ثابت ہوا ہے ـــــــ"*

اشکبار آنکھوں سے جو آنسو گریں وہ ایک سلسلہ گریہ بیتاب سہی اور غم خوردن کی وسعت آستین بھی تسلیم ـــــــ مگر اشک ہائے محروم دلان یار کی معراج تو یوں ہی ایک قطرۂ خون، ایک مختصر سا نشان حیرانی، ہو کے رہ جاتا ہے ـــــــ"

یہ بات بالکل صاف ہے کہ محبت کا اس طرح نشر و اعلان حقیقت میں بطلان ہے اپنے ہی دعویٰ کی صحت کا ۔ اپنے جذبات لطیف کی یوں

تصدیق اور اپنے واعیات قلب کی اس طرح توثیق چاہنا حقیقتاً اصلیت کو معرضِ تذبذب میں ڈال دینا ہے!!

بس ضرورت تو اس بات کی ہے کہ میں اگر کسی کو چاہتا ہوں، میرا دل اگر کسی کو پیار کرتا ہے، مجھے کسی سے اگر محبت پیدا ہو گئی ہے، میرے دن کسی کے لئے اگر پر اضطراب ہو گئے، میری راتیں اگر بے قراری سے بسر ہوتی ہیں اور میری حیاتِ سادہ اگر داغ دار الفت ہو گئی ہے ——— تو خاموشی اور تحمل سے یہ سب کچھ انگیز کر لوں،

تم کسی کو چاہتے ہو، کسی پہ تمہارا پیار ہے، بس ہے، کسی سے محبت ہو گئی، بس ہو گئی، ہاں اپنے دنوں کے اضطراب پر خوش رہو، اپنی راتوں کی بے چینی پر اپنی تمام شادمانی خواب قربان کر دو، اپنی زندگی کو حوالۂ خلش کر چکے تو اب شکوہ کس کا۔ میں کیونکر سمجھنے کی کوشش کروں کہ اک محبت جو انسان آخرہ محبت میں ان تلخیوں اور گوارا مصیبتوں کا جواب کیوں چاہتا ہے!

وہ ہم سے التفات نہیں کرتی، نہ کرے، اس کو ہمارے حال پر توجہ نہیں نہ سہی، اس کو ہمارے گوشِ خاطر سے ربط ظاہر نہیں، نہ ہو ——— "

میں پوچھتا ہوں اُن کا یہ التفات کیا کم ہے کہ ان رعنائیوں نے ہماری منجمد حیاتِ ادبی میں اک خاص قسم کی تحریکِ شعری پیدا کر دی، پھر یہ توجہ نہیں تو کیا ہے کہ ان کی بے اعتنائیوں نے مجھے درسِ انجذاب دیا اور اُن کا احتراز

ہمارے واسطے جذبات آفریں ہو گیا۔ یہ ربط نہیں تو پھر وہ کون سا ربط، ربط ہے کہ اُن کا باب جمال صرف ہمیں پر بند ہے ہمارے ہی غمگین آنسوؤں پر اُن کے قہقہے بلند ہوتے ہیں۔ ورنہ یوں تو اُن کے لئے دنیا روتی ہے!؟

ہاں تو اے جمیل مغنیہ! مجھے تو تجھ سے کچھ اس نوع کی محبت ہے۔ مجھ سے تو ممکن نہیں۔ کہ تیرے گھر کی رونق و شادمانی اپنے مدعائے غم اساس کی خاطر سپرد افسردگی کردوں۔ کس وقت قلب کو یہ تمنا نہیں ہوتی کہ ادھر آؤں مگر ڈرتا ہوں کہ ترے کوچے کے اداشناس میری رسوائیوں کو تجھ سے وابستہ نہ کردیں۔ کفر ہے جو یہ کہے کہ تری حضوری شگفتگیٔ خاطر کا سامان نہیں مگر میرا ماحول تو خارزار اور میرا وجود تو خلشوں سے معمور ہے۔

تجھے بارہا پرسش و التفات کے احساس نے مجبور کیا کہ مجھے دعوتِ رقص اور نوید موسیقی دے اور اس حیلہ سے میری تپش فرمائیوں میں اضافہ کرے ——— پھر کیا میں ترے اس اندازِ درس کو فراموش کردوں گا؟

تیری بزمِ رقص و نغمہ میں تو رمیدگی سکھلائی جاتی ہے یا پھر وہ زخود رفتگانِ الفت کی تعلیم گاہ ہے، جہاں تیری موسیقی ان میں روحِ حیات پیدا کرتی ہے تیری آواز کی دل کشی اور تیرے نغمہ کی تاثیر ساری بزم کو ملیامیٹ کر دے، تو اپنی موسیقی کے ترنم کو صرف سحر کاری کئے جا کون ہے جو تجھے اس سفاکی سے روک سکے تو کیفِ شعری اور انہماکِ موسیقی سے فضا کو رنگین کردے،

اس لیئے کہ اس وقت سارا عالم اپنی ساوگیوں کو فراموش کیئے بیٹھا ہے، تجھے اختیار ہے کہ اپنے نغمہ کی لہروں کے ساتھ اپنے رقص کی موج میں جدھر چاہے پلٹ جا تو مالک ہے کہ اپنی آواز کے دلپذیر نشیب و فراز سے میری روح کے اس گھراؤ کو بھی زخمی کر دینے سے نہ چھوڑ جہاں تیرے ہی رقص بے حجاب کا اک حسین نقش ہے ——— لیکن خدا کے واسطے یہ تو نہ کر کہ ساری بزم کی خوئے نظارہ تری ممنونِ نوازش ہو رہے! نصف شب کی دلگیر دھن میں محفل بھر کو ہچکیاں لگوا دے اس کا گلہ نہیں مگر دادرے کی بلاؤں میں ترے رقص خوش ہنگام کی معنی آفریں ٹھوکر تو یوں فتنے نہ اٹھائے ——— تغزل کے کسی جزو کو تو جدھر چاہے ادھر مقابل ہو کر ادا کر دے لیکن خدارا تیری بے باکیاں یوں ہر دل پر فتحمندانہ حکمرانی کی جسارت کیوں کریں۔ شریر نگاہیں یا تو کسی ایک سمت دو لمحہ نہیں ٹھہرتیں، یا پھر اہلِ بزم کی ہر نگہ، پیغام تری شرارت نظر سے ہم آغوش ہوتی رہے ؟ یا تو رخ پھیرتے وقت تیری حسین گردن کے دو تین خم۔ تیرے انفعالِ حبشی کا اعلان کرتے رہیں اور اضطراب دیدہ نشتر ادا کا عنوان ہو۔ یا پھر نمود سینہ پر سے رنگین دوپٹہ کا آنچل بھی ڈھلک رہے تو تجھے پروا نہیں اور نیچی نظروں کی شرارت ساری بزم کو اذن تماشا دے، تو تجھے حجاب آئے ؟؟

یہ بے باکیاں تجھے سزاوار یہ بے حجابیاں تجھے مبارک، لیکن کیا تیری

فیاضیاں اس قدر اجازت اور بھی دیں گی کہ اس بھری بزم سے آنکھیں ہٹا کر ایک اچھوتی نگاہ، حاشیۂ محفل سے باہر بھی ڈال لی جائے؟!

اس لئے کہ اک رعشہ بر اندام مستی، اک تاثر تمثالِ حیات ہے جو تری موسیقی کی تو حریف نہیں ہے —— مگر اُدھر موجود ہے!"

کیا تجھے یقین آسکتا ہے اگر میں یہ کہوں، اس بھری محفل میں کوئی بھی نہیں جس نے حقیقتہً ترے رقصِ دل پذیر اور نغمۂ دلکش کی صحیح طور پر قدر کی ہو ——"

تیری موسیقی اور تیرے دل نشین رقص کی قیمت یہ نہیں ہے کہ باصرہ خوش کام ہو، اور سامعہ لطف اندوز، اس کی قیمت کچھ اور ہے۔

اُس وقت جب کہ تو سرمستِ نغمہ ہو کر رقص کرتی ہے تو میں کچھ اس لئے نہیں دیکھتا کہ تو رقص کر رہی ہے بلکہ مجھے تو کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سرشت ذوقِ نغمہ عالم رقص میں ہے اور ساری دنیا رقص کر رہی ہے، پھر تیرے رقص کا اثر اور میری حسِ باصرہ کا کیف دو چیزیں شمار نہ ہو سکیں تو تعجب ہی کیا +

ہاں اس گھڑی جب تو محوِ رقص ہو کر ہم آہنگِ نغمہ ہوتی ہے تو اس کو میں کچھ اس لئے نہیں سنتا کہ تو گا رہی ہے اور تو جب گاتی ہے تو اسی لئے گاتی ہے کہ کوئی سنے بلکہ مجھے تو کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تو گا رہی ہے اور اس سے بے نیاز ہے کہ کوئی سنے یا نہ سنے، ترے گیت کا تو ہر بول زہرہ کا مدار موسیقی ہے

اور اس کا ترنم، انجمِ فلک کی بندگی ——— !

اس وقت میں تیرے گانے کو نہیں سنتا بلکہ میرا تمام اساسِ حیات تیرے نغمہ کے مرکزِ جاذبیت میں منتقل ہو جاتا ہے پھر گانا ہے کہ مجھے سنتا ہے اور رقص ہے کہ مجھے دیکھتا ہے!!

ہاں تیری حسین موسیقی جو مرکب ہے ترنمِ صوت اور ترکیبِ تکلم سے، ہاں تیرا جمیل رقص جو عبارت ہے اسلوبِ حرکات اور رفتارِ جذبات سے ——— کچھ اسی لئے جاذبِ ذوق نہیں کہ اس کو علاقہ ہے میرے اسندراکاتِ بصر اور فہمِ ہائے سماعت سے۔ ہائے وہ تو اس لئے بھی دل کش و دل نشین ہے کہ بسا اوقات اسے کانوں سے دیکھا اور آنکھوں سے سنا جاتا ہے اس حال میں کہ تو نے رقص ختم کر دیا ہے مگر تیرے گھنگھروؤں کی سنہری آواز ہے کہ ابھی تک کانوں میں چلی آ رہی ہے، تو نے اپنی موسیقی بند کر دی مگر یہ معلوم ہو رہا ہے کہ نہیں تو تو ابھی گا رہی ہے ———" !؟

ہاں تو تو اپنے گلے کی نازک مرکیاں، اس سے پہلے کہ وہ عقدۂ نکہت اور گرہ لطافت شمار ہوں اور اپنا خوش ہنگام رقص اُس وقت تک کہ وہ عروجِ صہبا اور روانی موج کہلائے، نااہلوں سے محفوظ رکھ ——— "

اے مبتلائے فریبِ مغنیہ ہم رقاصہ کیا تو اپنے رقص کا تھتک اور اپنی موسیقی کی یہ بے عزتی کبھی محسوس نہیں کرتی؟ تو اپنی شعریت کو سپردِ پامالی نہ کر،

تو اپنے افتخارِ جنسی کو کیوں حوالہ تخریب کئے دیتی ہے تیرا جمال خود غرض مجروح کئے ڈالتے ہیں۔ تیرا حسن بوالہوسوں کی دعویٰ داری عشق سے میلا ہو رہا ہے تیرے پندار کو بے وفاؤں نے مبتلائے فریب کر دیا ہے!

میں پوچھتا ہوں خدا کے لئے کیا کبھی رات کی تنہائیوں میں تیرا دل گھبرایا ہے؟ اور تجھے کسی طمانیت کی جستجو ہوئی ہے، ہا، ہر چند کہ ہجوم ابتلائے ہوس کے باعث کبھی رات کو تو تنہا نہیں رہتی مگر پھر بھی کیا تیری روح مطمئن تنہائی کی جویا نہیں ——؟

ہائے تیری خلوت کا سناٹا اور تیرا خراب آباد دل کیا کبھی اک پرسکون راحت اک پر اطمینان تسکین کے لئے نہیں تڑپ اُٹھتا ——

مجھے یقین ہے، گو تو محسوس نہیں کرتی، اُس وقت، جب کہ تیری روح کشاکش فریب سے چھٹکارا پاتی ہے تو تجھ پر اک اضمحلال یاس طاری ہو جاتا ہے اور تیری فطرت اپنے چاروں طرف غیر محسوس انداز میں حیات مشترک کے برکات تلاش کرتی ہے اور حیف، کہ تیرا گرد و پیش اس برکت سے قطعاً خالی ہے ——!

مجھے معلوم ہے ہر چند کہ تجھے اس کا احساس اب تک نہ ہوا ہو کہ اس گھڑی جب کہ تو فریب مطامع کا شکار ہو چکے تیری معصیت اپنے المناک داغوں کا اندمال تلاش کرتی ہے لیکن افسوس تیرا ماحول نمک افشانیوں سے

معمور ہے ـــــــ"

تیں جانتا ہوں چاہے تو نے اب تک جاننے کی کوشش نہ کی ہو کہ بعض اوقات جب کہ تو اتفاق سے کسی شب کو تنہا ہوتی ہے اور تجھے اچھی خاصی رات گزر جانے پر بھی نیند نہیں آتی اس کی وجہ یہ نہیں کہ خلاف معمول آج سویرے سو جانا پڑا، یہ بے چین کروٹیں یہ انتشار طبیعت، اس لئے نہیں بلکہ یہ خستگی تیری فطرت کا ایک مسخ عنوان ہے جس پر تجھے غور کرنا ہے۔ تری حقیقت اک مشغول راحت چاہتی ہے۔ تیرا پہلو اک پہلو تے مودت تلاش کرتا ہے، تری تھکی ماندی حالت اک روحی شادمانی اور تازگی ضمیر کی مسرت اور شگفتگی کی خواہاں ہے!!

اچھا پھر ـــــ اگر تجھے سچے رفیق کی ضرورت ہے تو اس صف دلدادگاں سے قطع نظر کر۔ تجھے حقیقی محبت کی اگر تلاش ہے تو ان داعیان عشق اظہار کی سماعت سے گریز فرما۔ تجھے رقص و نغمہ ہی سے اگر محبت ہے تو ایک آسمانی گیت کی دھن نکال ـــــ"!

اگر تجھے جادو ہی جگانے ہیں تو ان فتنہ سامانیوں سے اعراض کر اور صرف اس کی معیت قبول کر لے جو اپنی غمگین آنکھ کے ایک خاموش آنسو سے ترے دامن کی عزت بلند کرنا چاہے ـــ یا ترے دامنِ محبت کی عزت، جس ایک کسی نم دیدہ کے احترام سے وابستگی پسند کرے ـــ!"

ہاں تو اپنی زندگی کی راحت اور اپنے شباب کے عروج پر کسی محبت
کا اقتدا قبول کر لے تاکہ ناز حسن لطف نیاز سے بھی آگاہ ہو ورنہ یوں تو
اے حسین رقاصہ! تو اک راحت ہے طمانیت گریز، اک مسرت ہے
ندامت اساس اک امانت ہے سود فراموش یا پھر اک ایسا وجود ہے، جو
دیکھنے میں حسین اور حقیقتہً جمال معنی سے دور جس کو شعبدۂ نشاط او ربوقلمون
عیش کہیں تو ٹھیک ہے!

تہمتِ شباب

ایک ایسا "تنومند جوانِ رعنا" جو خلقی اعتدال نصیب نہ ہونے کے ہاتھوں آدمی تو کیا رہا۔ ہاں اچھی خاصی "بلغم" کی ایک پوٹ بن گیا ہے، مدعی ہے کہ مجموعی حیثیات کے اعتبار سے "خدا کے فضل" کا نمونہ ہے پھر نمونہ بھی ایسا جو جاذبِ نظر ہے۔ اصل کی جملہ خصوصیات کا حامل مظہر ہے۔ بالکل ایسا جس طرح "فارن کنٹریز" (Foreign Countries) سے روانہ ہونے والی اشیاء استعمالی کا "شپمنٹ سیمپل" (Shipment sample.) جو اکثر اسباب کی روانگی سے قبل ہی تصدیق رجحان و جذبِ التفات کے لئے روانہ کر دیا جاتا ہے۔

بعض احباب میں اِن کے متعلق اک نہایت دلچسپ بحث رہا کرتی ہے۔ اور وہ یہ کہ ایسے بارد خون، فاسد رطوبات، اور پھیلے ہوئے گوشت کے انبار میں "محبت و عشق" کے جذبات عالیہ کیونکر پیدا ہو سکتے ہیں؟ اور ہمارے دوست کا یہ عالم ہے کہ وہ اپنے مرکب نمونہ میں ان اجزاء لطیف کی تحلیل و ادغام کی قسمیں کھاتے ہیں۔

مجھے اپنے ان دوست کے ساتھ اتفاق خیال ہیں کیا "تامل" ہو سکتا ہے جب کہ مجھے اسی نوع کے اک ایثار کا انہیں کے متعلق، علم بھی ہو۔ جو واقعۃً ان کے جسم سے ان کے حال کا متبائن استثنٰے ہے۔ جس کا پیش نہ کیا جانا ظلم ہے!

میرے یہ دوست مجھے ایک مرتبہ ایسی جگہ لے گئے جہاں ہر غیر معمولی موٹا آدمی چاہے، جانے کا حریص ہو۔ مگر واپس آنے پر مجبور ہے۔ اور تماشا دیکھیے۔ ایسے راستہ سے لے گئے۔ جہاں سے اگر ان جیسا اک پورے کرۂ لحمی کا مالک بغیر قیامتِ حجری برپا کیئے گذر جائے تو سخت تعجب ہے۔ مگر یہ زینے پر چڑھے۔ بلا ہچکچائے، بغیر ہانپے اور ارادہ کے ذوقِ عمل سے ذرا بھی گھبرائے بغیر اوپر پہنچ گئے ——— !!

ہاں مجھے وہ اک ایسی جگہ لے گئے، اگرچہ موضوعِ الفت پر گفتگو نہ کرنے کی قسم لے لینے کے بعد "تاہم" مجھے خوب معلوم ہے کہ جہاں ایسے لوگ کم جاتے ہیں جو بحرِ متقارب، کے اک سالم مصرع کو بھی ایک سانس میں نہ پڑھ سکیں۔

پس مجھے ذرا تذبذب ہے، کہ وہ اگرچہ اپنے سراپا کے لحاظ سے "درخورِ چشمِ التفات" سے زیادہ ہیں اور دیدۂ حاسد کے ہدف ہونے سے توقطعاً سوا، پھر اُن کی ان دلچسپیوں کو کیا سمجھیں، اُن کے ان مشاغل کو کیا کہیں؛

یہ ممکن ہے۔ کہ اُن کے ان جذبات میں خالص ولولہ انگیزیٔ الفت نہ ہو۔ مگر اس میں تو انکار کی گنجائش ہی نہیں۔ کہ ان کی "تنومند جوانی" کو بھی تو آخر اس سے کچھ نہ کچھ علاقہ ہے۔ اور یہی خیال اُن کے متعلق "حکیم فقیر محمدؐ صاحب قبلہ" کا بھی ہے!!

میرے ایک اور دوسرے دوست، آپ تعجب کریں گے، دنیا میں اضداد کا مجموعہ، ہمہ گیریٔ لطف کے ساتھ ساتھ قدرت نے کبھی وضع کیا ہوگا، کیا ہوگا۔ مگر اس دور میں اُس ترتیبِ فائقہ کے مظہر بدرجہ اتم آپ ہی ہیں، قدرت کی ان بوقلموں اختراعات کو اگر کبھی کسی محفل میں آراستہ کیا گیا۔ تو آپ دیکھیں گے کہ صفِ اول کی زینت آپ ہی کی ذاتِ محشر صفات سے وابستہ ہوگی!

مرزا سلطان احمد کی اخلاقیات کی مدح اگر جناب سے ممکن ہے تو میر امانت کا واسوخت بھی آپ کی داد سے محروم نہ ہوگا، سلطان حیدر جوش کا "دستر ابلیس" اگر آپ کی بزم بے تکلف کا بار ہے تو مولانا شرف الحق قبلہ کی بزم وعظ میں "کھلے بندوں" اُن کے پراثر بیان پر توبہ اور اقرار معصیت سے بھی باک نہیں۔ قبلہ آزاد چشتی کے فلسفہ والہیات کے اگر حضرت مدّاح ہیں تو مسر جنی نیڈو کے اندازِ تکلم پر بھی برابر کے لوٹ پوٹ ہیں۔ جناب بے حد کثیر الاحباب ہیں مگر آپ کی اداؤں کی دلکشی میں یہ بات بھی شامل ہے کہ آپ ہمیشہ اس کے لئے بے تاب ہیں۔ کہ "اپنے اک دوست کو دوسرے دوست

سے ملادیں۔" افراد کی کثرت، امزجہ کا اختلاف، طبائع اور ذوق کا تباین آپ کے نزدیک قابلِ غور مسئلہ نہیں ہے، وہ تو خدا نے خیر کی۔ جو اگر ذرا سا بھی قدرت، ان کو تحلیل اور ادغام کا ملکہ عطا فرما دیتی، تو یہ روز "سرکہ اور گلاب" "مشک اور ایلوہ" بیٹھے ملایا کرتے۔

آپ کو تعجب ہوگا۔ ان کا اک مخصوص ذوق ہے۔ اور وہ یہ کہ آپ چاہتے ہیں۔ کائنات میں کوئی انسان ایسا رہے جس کا قلب، نسوانی احترام اور اسی جنس کی الفت کے احساس سے خالی ہو۔ وہ دل کے واسطے اک زخم اور اس کی زندگی کے لیئے اک تڑپ کے موید ہیں۔ اور اس کا تنہا ذریعہ اک "نگہ حسین" کی تلاش بتلاتے ہیں ——— لیکن میرے واسطے یہ اہتمام ویدایت ہے کہ میں کسی جمیل نظر کا ہدف نہ بنوں، کوئی حسین چہرہ جو اپنے اوپر نسائی نقاب رکھتا ہو۔ ایسا نہ ہو۔ کہ اس کا کوئی حصہ میرے حصّے میں آئے!!

اگرچہ ان کی جانب سے آج تک اس عنوان پر، اس موضوع کی تحت میں کوئی پارۂ ادب سپردِ قلم نہیں ہوا۔ مگر مجھے علم ہے کہ انھوں نے کس طرح اور کس کس انداز سے جب انہیں معلوم ہوا کہ اک پیکرِ ادب و موسیقی ہے کہ میری دلچسپیوں کا مرکز ہے۔ اپنے اختلاف ذوق و رجحان کو مجھ پر ظاہر کیا۔ اور اپنے عمل کے حریفانہ نقوش مجھ پر واضح کئے۔

(۲)

میں اور میرے یہ دونوں دوست ایک روز بیٹھے ہوئے یوں ہی کچھ باتیں کر رہے تھے کہ کسی کے منہ سے نکلا کہ اگر جوانی اور "لٹریچر" میں یہ تین چیزیں نہ ہوں تو یکسر بے کار و بے کیف ہیں۔

=شعر، شراب، شباب، =

میں نہیں کہہ سکتا کہ جوانی سے الگ شباب کو "فرض" کر لینے سے خیال میں کیا قیامت برپا ہو جاتی ہے؟ اور "لٹریچر" سے علیحدہ "شعر" کا ذکر کر دینا کس سلامتِ ذوق کا شیوہ ہے؟ آخر "شراب" کو دونوں کے لیئے قدر مشترک قرار دے دینے میں۔کس سرمستی کی ترکیب کی طرح ڈالی جاتی ہے؟ تاہم اس سلسلہ گفتگو میں میرے اک دوست نے کہا۔ "منظر اگر تم چاہو تو میں تم کو ایک "آنکھ" دکھاؤں گا۔ جو اپنے اندر وہ سب کچھ رکھتی ہے جس کے لیئے تم اس وقت محض خیالی لطافتوں کو فرض کیئے لینے پر ہی رقص کر رہے ہو۔ اس میں شعر کا کیف ہے، شراب کا سکر ہے۔ شباب کی مستی ہے۔ اور پھر اس میں وہ کچھ ہے۔ جو ان میں بھی مجموعی حیثیت سے موجود نہیں۔ وہ حسن و ادب کی اک تصویر ہے۔ وہ شعر، گل بدامن اور شباب چاک پیرہن کی اک صنعت ہے اور کیا یہ کم ہے۔ کہ وہ اک "عورت" ہے اور "شاعرہ ہے"؟! اگر یہی کہہ دینا کافی ہے کہ وہ اک وجود شعری ہے کہ مری، اس لیئے کہ اک جوان فرد صنف نازک

میرے اعتقاد میں تو یہی ہوتا ہے! اک سراپا شباب ہے۔ کہ سنجیدہ اور شوخ جیسے بوئے یاسمن شدید بھی اور لطیف بھی اس لئے کہ جنس نازک کا عروج زمانی میرے ایمان ادبی میں تو صرف آمیزشِ سنجیدگی کی شوخیوں میں بے کاستی سے عبارت ہے۔

(۳)

میرے شوق کو ان ہی دو احباب کی معیت نے وہاں پہنچادیا۔ جہاں پہنچ کر بھی میں ابھی تک سراپا شوق اور رہنمائیوں کے لئے معیت کا محتاج ہوں۔ یہ مقام میرے مستقر سے دو پونے دو گھنٹے کی مسافت پر واقع ہے اور سفر تھا ریل کا، اللہ! اتنے سے بعد پر تیری دنیا میں کیا کیا چھپا پڑا ہے؟

خدا جانے میرے دوستوں نے مجھے کیا کہہ کر پیش کیا۔ اور "ان" کو تعریف کے کن جملوں کے ساتھ روشناس تعارف کیا —— مجھے تو اس حواس دشمن فسانہ میں سے صرف اتنا یاد ہے کہ "اک چھریرا جسم" اک پژمردہ جوان چہرہ، اک تھکا شوخ قیافہ، اک جھکی ہوئی بیباک چتون، اک درماندہ شرارت، اک طلسم دیار وگیر ہے۔ کہ جس نے ایک جسم اختیار" کرلیا ہے۔ مجھے محسوس ہوا کہ اس جوانی پر غم کی بجلی گر پڑی ہے، جو ہی کی کلیاں اوس نہ پڑنے سے بے رونق سی ہیں۔ اس دل کو کسی نے دکھا ڈالا ہے، اس کے آنسو محرومِ دامن دپرستش ہیں!

مجھے تو کچھ اور فتنہ ساما نیوں کا حال سنا کر لایا گیا تھا۔ مجھے تو کسی اور ہی قسم کی غارت گریوں کے نمونے دیکھنے کی آرزو لائی تھی، یہ حسن بے باک و شریر کہاں، یہ تو درد و بیچارگی کی نشاں ہے، "شعر" کہاں یہ تو بینیا اور دکھ کا اک بول ہے، "شراب" کیسی یہ تو اٹکتی ہوئی دوا کا اک گھونٹ ہے، "شباب" کیسا یہ تو مٹی ہوئی آرزوؤں کا اک ڈھیر ہے"!!

آپ کو اختیار ہے۔ مجھے جو چاہے فرمائیے۔ اس آراستہ و پیراستہ مکان کی مالکہ دل ریش ہے، دل گرفتہ ہے۔ اب یہ کوئی اور بات ہو گی۔ جو بعض اغراض و حالات کے اقتضا سے اس نے اپنا گرد و پیش اور اپنے امیال و عواطف کو شگفتہ و شادمان بنا رکھا ہے۔ لیکن اس کا کیا علاج ہے۔ کہ ہر غور سے دیکھنے والے کو حسینہ کے چہرہ کے باریک خد و خال کی تہ میں اک سادہ سی غم کی تحریر نمایاں نظر آتی ہے۔ بیاض چشم کی مایوس صباحت، سیاہ پتلیوں کے عمق میں اک تہ نشین شے۔ اس بات کا بھید ہے۔ کہ اگرچہ اس لڑکی کا شباب باقی ہے۔ مگر جوانی کی امنگیں کسی فریب کے نذر ہو گئیں۔ ہر چند کہ یہ صراحی و جام کے وظیفے کی حامل ہے۔ مگر اس کے پیمانے کی شراب چھلک کے گر پڑی اس کی روح کی شعریت زندہ ہے۔ مگر فضا مردہ، اس کا فسانۂ حیات دلچسپ ہے مگر خواندگی سے محروم!

آداب مجلس کی رعایت سے وہ میرے دوستوں سے ہنسی بولی، شگفتہ

رہی، لیکن مجھے یہ سب کچھ کھٹکتا رہا۔ اور ایسا معلوم ہوتا رہا کہ یہ سب کچھ بناوٹ ہے۔ ورنہ —— یہ صنف کرخت کی پذیرائی میں صرف اک طلب پوشیدہ رکھتی ہے اور وہ رات کے عیش سے متعلق راز نہیں ہے یہ عجز میں اپنے اک خواہش چھپائے ہوئے ہے۔ اور وہ دن کی راحتوں کی بھیک مانگنے کے لئے نہیں ہے!

وہ تو اک افسانہ کی تصنیف چاہتی ہے جس سے اس کی رات کے سناٹے کٹ جائیں جس سے اُس کے دن کے غم بدل جائیں"

وہ اک آغوش چاہتی ہے جو اسی کے لئے وا ہو۔!

وہ اک آنسو کی طلب کی دعوت ہے جو اسی کے لئے ڈھلے!

وہ اک دل کی آرزومند ہے۔ جو صرف اسی کی پرستش کر سکے!!

تاکہ یہ اپنی تھکی ہوئی روح کے اضمحلالِ شباب کو اب تو آسودہ دیکھ لے، یہ اپنی آنکھوں کے تلخ آبِ غم میں کسی کے دو ٹھنڈے قطرہ ملا کر ذرا دل کی گرمی کو سمو لے۔ یہ اپنی سیوا ترک کر دے۔ اور اب سے کسی کی سیوا خود اختیار کر لے، اور یہ حقیقت ہے۔ کہ اس کا ماحول ایسی مترنم رنگینیوں سے خالی تھا۔ وہ تو اک جستجو ہے۔ جو درماندہ اور اک نکہت ہے، کہ آوارہ۔ اک قوت ہی کہ زائل۔ اک امنگ ہے، کہ مضمحل! میں ٹھیرا، میں نے دیکھا۔ سنا اور لڑکی کی غریبانہ حسین اداؤں کو دل میں لے کر واپس چلا آیا ——!!

(۴)

"شگوفہ" آپ یقین فرمائیے میں نے اپنی عمر میں آپ سے بہتر، برجستہ اور سلیس شعر کہنے والی کوئی ہستی طبقۂ نازک میں نہیں دیکھی۔ اور پھر جذب و کیفیت کی دوسری رعنائیاں؟ توبہ! کیا میرے دکھے ہوئے دل کو جو از سرتاپا شعر کا "درد" ہے اپنی نوازش کے قابل سمجھے گا؟ ضرور ——————— اک!

جنابہ اجازت ہے! ؟ مجبور ہوں اور قطعاً مجبور کہ آپ کے حضور اپنے غم نصیب زمانۂ فراق و مہجوری کی اک ذرا تفصیل پیش کردوں، داد غم چاہوں ——————— شگوفہ ڈرتا ہوں۔ کہ کہیں آپ کی شاعرانہ حسیات سے معمور طبیعت مکدر نہ ہو جائے۔ آج تک چپ رہا، اور چپ ہی کو وسیلہ نجات سمجھے۔ زندگی کاٹا کیا، کیا امیدوار رہوں۔ کہ کبھی ہدف التفات بھی ہوں گا؟ ضرور ——————— دو!

انجم" اُف کس قدر دل فریب تخلص ہے۔ اور کس درجہ محبوب و دل نشین، طرزِ تغزل، پھر صورت کیسی پاکیزہ، سیرت کیسی وفا آموز، کیوں مس صاحبہ کیا اجازت ہے کہ آج آپ کی عزیز خلوت کا اک پرسکون ٹکڑا مجھے بھی میسر آجاتے؟ آرزو ہے۔ آپ کی ساکن فضار حسین میں چند سانس مسرت و آزادی کے میں بھی لے لوں، ؟ ضرور ——————— تین!

کون نہیں جانتا۔ کہ عورت اس درجہ ادعائے ہوشمندی کے باوصف اس سے انکار نہیں کرسکتی۔ کہ اس کی منفعل خلقت۔ مرد کے پرفریب دلخراش حملوں کی برداشت سے عاجز ہے، سب سے زیادہ کامیاب حملہ عورت کے لئے، اس کی جناب میں مرد کا یہ کید محبت" پیش کرنا ہے۔ اگرچہ التجا چہرہ پر مروت طلبی کا زرتار نقاب ڈال کر آتی ہے اور محبت خواہ آنکھوں کو رام کرلیتی ہے۔ مگر نہیں، انجام کار جب آنکھوں کو اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے تو پھر وہ ہی امرت رس کے پیالے ہیں جو بس گھلے ثابت ہوتے ہیں!

مس شگوفہ کی جوانی اور اُن کی شاعری افسوس ہے۔ اپنے گرد وپیش ایسے ہی عاشقوں کا ہجوم اور ایسی ہی عرضیوں اور درخواستوں کا انبار رکھتی ہے اُن کے چاروں طرف ایسے جانبازوں کا جمگھٹ ہے، جو ہر وقت از منہ ماضی کی تجدید پر آمادہ نظر آتے ہیں خدا ان کو خوش رکھے۔ ان ہی کے عزیز دم سے ادب و شاعری کے چند موضوع ہیں۔ کہ زندہ ہیں۔ اور یہ بھی ان ہی کا ظہور اعجاز ہے کہ آج بھی ایک جنازہ ارمانوں کا، ایک میت آرزوؤں کی ان کے کوچے سے نکلتی ہے"۔ ایک "ننھی سی لحد" دل بیمار کی اُن کے محلے کے بچوں کے لئے وجہ مصروفیت ہے ——!

اور کیوں نہ ہو جب کہ "محبوب اور صنم" بھی مانگے "تلنگے کی" "نذر و نیاز" کو بُرا نہ جانیں، ذرا مسکرا دیئے "منتِ باغباں" سے چھٹکارا مل گیا۔ اور اِدھر

مزارِ عاشق کا تھا۔ کہ وہ "گل پوش" ہو گیا، ذرا بناوٹ سے کہیں "تیوری" چڑھا لی، غم زدہ لوگوں پر "آرے" چل گئے، محبت کے آسمان پر "دم دار ستارے" نے "نحوست" سر پر اٹھا لی۔ "حسن وعشق" کی دنیا میں اَن بَن کی ٹھہر گئی۔ آدھے اِدھر ہو گئے آدھے اُدھر" —— آنکھیں اٹھا کر دیکھ لیا۔ پوچھ لیا، "جنت نگاہ" اور "فردوس گوش" ہو گئے۔ "دیکھنا" "بندہ پروری" اور "پوچھنا"۔ "ارسطو" کے خلاصہ اخلاقیات سے زیادہ ہے۔ الغرض "عشق ومحبت" کی دنیا اور اس کی تمام تر رونق آج بھی ان ہی جمیل اور آوارہ غم ہستیوں کی ذات سے وابستہ ہے —— !

(۵)

ایک زمانے میں بے حد چرچا رہا ہے۔ کہ آخر مس شگوفہ کے حسین پہلو میں کوئی دل ہے۔ یا "تاج محل" بمبئی کی قیام گاہیں، کوئی خوش ذوق انسان، کوئی وضعدار آدمی، کوئی خوش پوش بشر، کوئی بے ریش بروت چہرہ جس کی عمر اٹھارہ سال سے تئیس سال تک ہو۔ آجائے۔ پھر نا ممکن ہے کہ وہ غمگین واپس جائے۔

"یہ خاتون قدرت کی تصانیفِ اجمل پر بہت دل لگا کر متوجہ ہوتی ہیں"! خدا نہ کرے مس شگوفہ کسی اُس طبقہ سے متعلق نہیں جس کے ہاں "عاشقوں کے پیغام ہائے محبت" پر جب ہی لبیک کہی جاتی ہے۔ جب کہ آنے والا منفعتوں

کی ٹکسال ہو ——— یہ تو خود اک آسودہ حال اور شریف گھرانے کی مقتدر
خاتون ہیں۔ اور ایک پاک بازانہ عنوان زیست کی طرح رکھتی ہیں ———،
پھر کیا مشکل ہے، وہ جس کو چاہیں جھڑک دیں۔ وہ جس کو چاہیں اٹھا دیں۔
مگر اُف! صورت یہ ہے کہ اس بستی کے تمام "ہندوستانی سفیدی پھرے
ہوئے چہرے" اور ٹائی مفلر بندھے ہوئے گلے" نوازش کی "بوچھاڑ" اور "تعلقِ
انس" کی اسیری کے "لطف" سے سرفراز ہیں، اب حُسن کی شہزادیں" سائیکی
کے حسن طلسم بند کی طرح اک کیوپڈ کی دعوت ہو رہی ہیں، آگرہ کے دیوتا، لکھنؤ
کے صنم دہلی کے بت، سب کھنچے چلے جا رہے ہیں۔ اور سب کو ہی تبسم و
ذوقِ شعری کی تقسیمِ عام میں سے کچھ نہ کچھ مل ہی رہتا ہے، گویا مس شگوفہ
اک ادبی حد تک ہندی کے اس بول کا ترجمہ ہے!!

"نجریوں سے دل بھر دوں گی   چھونے نہ دوں گی سر پر!"

بہت سے ہونگے۔ جو آئینہ سے ہم آغوش ہو کر اپنے حسن رنگم کو نمایاں کر دینے کے
آرزومند ہوں خدا کرے "چھونے نہ دوں گی سر پر" کی دھن بڑھتی رہے!!

میں نے بار بار غور کیا ہے۔ کہ آخر اس کی لم کیا ہے جو مس شگوفہ یوں
وقفِ تماشائے عام بنی ہوئی ہیں۔ مگر آپ باور کیجئے۔ میری جستجو بے کار رہی
مجھے کبھی کوئی راہ سوجھائی نہ دی۔ بس اسی قدر خیال قائم کر سکا ہوں کہ
اُن کا "شباب"، "طبیعت کی جوانی" ہاں طبیعت کی "ایسی جوانی" جو "شباب"

سے بالکل جداگانہ اک قیامت ہے۔ پھر شاعرانہ مذاق اور ان سب کے بعد اُن کا یہ "عورت بھی ہونا" اک مصیبت ہوگیا ہے!

شباب ہو، شاعر ہو، اور پھر ہو "مرد" خیر گذر جاتی ہے، اس لئے کہ سوسائٹی کا نظامِ عمل مرد کے لئے قوانینِ اخلاق و مروت میں ذرا لچک اور نرمی لئے ہوئے ہے۔ اس کو موقع ہے کہ وہ "دن کی روشنی" میں "رات کی تاریکی" میں جب چاہے شعر کہے۔ اور شباب برتے!

آپ باور فرمائیے "جوانی" اور "ذوق شعری" ہی کچھ کم قیامت نہیں۔ اس پر انہیں یہ جو "عورت ہو جانا" نصیب ہوگیا ہے۔ اب ہم نہیں جانتے اس کو کیا کہیں، جس زمانہ عروج حیات سے جوانی عبارت ہے۔ وہ "ترادف" اسمی ہے "عورت کا" پس عورت، جوانی اور شعر؟ یقیناً یہ سب کچھ تعمیل دل کی آرزوؤں کا، امنگوں کا ایک ایسا عملی استثنےٰ ہے۔ جس سے سوسائٹی چشم پوشی کرلے۔ تو بہتر ہے!؟

مس شگوفہ کو، اگر اُن کی متانت "اُن کے" وظائف ادبی" سے باز رکھنا چاہتی ہے۔ تو اُدھر ان کی جوانی ہے کہ مچل جاتی ہے۔ اگر ان کے "معمولات جوانی" کو طہارت ذوق روک تھام میں لانا چاہتا ہے، تو یہ "اُفتاد شعری" پاؤں جمنے نہیں دیتا۔ اور شباب روٹھ جانے پر تلے پڑتا ہے، جنس کرخت کی "بے وفائیاں" ان کے حضور میں "تعقل" و "تجربہ" پیش کرتی ہیں۔ اور امکان ہوتا ہے،

کہ "دو نیم دل، دو لخت جگر" اس نصیحت کو ضرور مان لے گا لیکن ہائے اس وقت اُن کا یہ "عورت" ہونا ہے۔ کہ ان کو بے بس کر دیتا ہے"!!

(۶)

اگر ایک "بھرپور" جوانی" اور بحیثیر ترجمان شباب شاعری"، ---- کسی "لڑکی" کا خمیر حیات ہو جائے تو ہم نہیں جانتے۔ اس آسمان کے نیچے کتنے فتنے ہیں۔ جو آنے والے محشر سے پہلے ایک قیامت زمین کے اوپر برپا نہ کر دیں گے اک دل جس کی ساخت میں "ولولوں" کا عنصر نمایاں، ایک زندگی جس کی تعمیر میں "غم" کا جزو، غالب، جو ازلی الم رسیدہ، جو مدت سے داعیات دل کے موافق رفیق حیات کی متلاشی ہے، کیا تعجب ہے۔ اگر اُس نے "تلاش و سعی" کے زمانے میں "تاریک گوشے" اور "پیچیدہ خلوت خانے" بھی دیکھے ہوں، اُس نے ہر منظر پر نظر ڈالی ہوگی، "خار سے زخمی" بھی ہوئی ہوگی۔ اور "پھولوں کو زخمی بھی کیا ہوگا"---- اور سچ ہے "داعیات شباب" کی یہ جستجوئے بلیغ" اپنے دامن پر ضائعیات شباب کے کچھ دھبے بھی رکھتی ہوگی مگر میں پوچھتا ہوں۔ وہ کونسا "قدم ہے سرگشتہ"، وہ کونسا "حوصلہ ہے آوارہ" جس کے تلووں نے یہاں کی خاک چھانی ہو۔ اور پھر "خار" کے لئے "خراج خون" سے دریغ کیا ہو!---- "چمن کی وحشت سامانیاں ایک دماغ چاہتی ہیں۔ اور جب ایسا دماغ اس طرف سے نکلا ہے تو کبھی یہ نہ دیکھا ہوگا۔ کہ اس راہ

سے گذرنے والا "دامن چاک" نہ گذرا ہو۔ مس شگوفہ آپ معذورِ اضطراب ہیں!
آپ کیوں رد فرماتی ہیں، "شب عیش و امتحان" کی اس "مفروضہ" داستان کو
جس میں آپ اور کوئی رند صبوحی، باہم لذت گیر "شباب و شعر" ہوتے ہوں،
اس لیے کہ صبح کو فرش بزم شبینہ پر ٹوٹتے ہوئے ساغر"، "الٹی
ہوئی صراحی"، "بکھرا ہوا سامان"، "سکڑا ہوا بستر"! اور پھر خود آپ جب ہم "خواب
و بیداری" کے سے انداز میں کسی کو ملے ہوں تو اس کے لئے یقیناً یہ دو ایسے
عنوان اور "قضیئے" ہیں۔ جن سے "غلط نتیجے" نکالنے "محال ہیں، آپ کے
ارشاد کو "عقل" مان لے، "ایمان" اعتماد کرے، میں "آنکھ" جھکا لوں۔
مگر مدعی آپ کے شباب خستہ کی طرف جب انگلی اٹھادے، تو بتائیے اس کا
جواب میں کیا دوں؟ پھر یہ طرزِ ریختہ بھی "تخلیقِ شعر" کے لئے کوئی اچنبے کی
بات نہیں، یوں بھی پوری غزل میں کوئی "شعر کامیاب" ہو ہی جاتا ہے۔!
مس شگوفہ، آپ کا "ادعائے پاکبازی"۔ "شباب و عشق" کی دنیا میں
بجائے خود ایک دعوئی ہے جس کے جواب میں ہم نہ تردید پر قادر ہیں اور نہ تصدیق
پر حاوی، تکذیب و تردید تو اس لئے نہیں کرتے کہ خود جراحت ذوق کے
پہلو اس سے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور تصدیق اس لئے کہ پھر جوازِ "غوغائے
ادب و شعر"، ولولہ و معصیت وخطا کے لئے ہمارے سوا کوئی مجرم نہ ملے گا، ورنہ
تو ہی بتا۔ اے پیکرِ التہاب، تیرے ہاتھ میں شیشۂ مے، تیرے پہلو میں گرمیٔ شباب،

تیرے خیالوں میں عروجِ شعر، اور تیرے نصیب میں رات اک روشن و تنہا اور پھر صبح کو تیرا یہ کہنا رات ایسی کٹی جیسے مردہ "تختۂ غسل" پر یا زاہد "سجادۂ ورع" پر ہاں تیرا یہ کہنا۔ کہ میری گلابیاں تو "خشک" ہی رہیں میرا "حلقوم" تو "سوکھا" ہی رہا۔ میری بزم کا سنورنا میرے پیالوں کا چھلکنا، اک "میکش ادیب" کی ذات سے وابستہ ہے ——— مانا کہ صحیح مگر خدارا! پھر یہ "قربِ خواب" کس "اتحاد کی تعبیر" ہے!!

لڑکی! اے جوان ارمانوں جوان عریانیوں کی مظہر و مالک لڑکی تو اس عذر اور رد کی پیچیدگیوں میں نہ پڑ۔ تو تو بس یہ کہہ دے کہ جس طرح "جنس" کا شباب خلاصہ ہے۔ ان آرزوؤں کا کہ تمام "رنگین ساریاں"، "حسین تیتریاں"، "مست نگہتیں"، ہمارا حصہ ہو جائیں۔ اسی طرح میں بھی ایک دل رکھتی ہوں، جو شدتِ تمنا سے بالکل ٹوٹا ہوا چاہتی ہوں مجھے بھی کسی رات کو غافل ہونا نصیب ہو جائے، اس حال میں کہ چاہے مجھے جاگنا ہی پڑے مگر میری آرزوئیں ہم خواب راحت ہو جائیں!! میں اسی شے کی "تلاش" ہوں میں اسی جذبہ کی زبان ہوں، فرق یہ ہے کہ پہلے حیا کی چاردیواری میں قید تھی، اب "تہذیبِ نفسی" کی آزادیوں میں بیباکِ تلاش، پہلے "رواداریوں" کے طلسم میں بند تھی، اب "مساوات" کی سرسبزیوں میں شاداب، پہلے "بیع" سے قبل برتنا مکروہ و گناہ تھا، اب "تطبیقِ ضرورت" کی زبان میں

پرکھنا جائز!

(۷)

مس شگوفہ مجھے معلوم ہے۔ کہ تو تمام و کمال معمہ ہے جستجو کا، چیستاں ہے تلاش کی، طلسم ہے سعی و طلب کا یا پھر بکسر "پیکرِ انتقام" ہے جنس نسوانی کی مظلومیت کا، صنفِ کرخت کی تخریب و تضحیک کی دعوت کا نسائیت کے اُس حصّہ کی اطلاع ہے۔ جو مردوں کے تمرد کو ملیا میٹ کر دے عورت کے استقلال و قوتِ فیصلہ کی نمائش ہے۔ جو بد عہد، و بے وفا فرقۂ ذکور کو گھٹیاں رگڑوا کے چھوڑے تمام تر احتجاج ہے۔ اپنی "وجوہ معصیت ہے"، اللہ کی جناب میں اپنی صنف کی بے کسی و بے بسی کا!

اچھا اگر تجھے تلاش ہے اک ایسی آغوش کی جو تیرے واسطے کھل جائے تو تو بھی اب سے اپنے نازنین جسم کو لجا جانا، سمٹ جانا سکھا۔ اگر تجھے جستجو ہے اک ایسے دل کی جس میں تو آباد ہو، تو پہلے تو بھی اپنے "صنم آباد" گھر کو اجاڑ۔ اگر تجھے طلب ہے کسی ایک نم دیدہ غم کی تو تو بھی اپنے آبشار "الفت کی راہوں کی نگرانی کرا اور اب سے اپنے "آستین و دامن" کو سنبھال کر رکھ، اگر تو مردوں کے تمرد و سرکشی، بد عہدی و بے وفائی کا انتقام چاہتی ہے۔ تو غیظ انتقام میں اپنی "وقا فطرت" کو برباد و مسخ نہ کر، مکر، مکر سے نہ جیت، فریب کو فریب سے حاصل نہ کر۔ تیرا "معصوم و سادہ" ہی رہنا اپنی مظلومیت کے لئے

اللہ کی جناب میں احتجاج ہوگا، آ! اور اُٹھ! کہ دنیا کی آغوشِ "الفت و اخلاص" ابھی تنگ نہیں ہے۔ ابھی عالم کے سنسان ہیں دلوں کی بستیاں ہیں جن میں تو آباد کی جاسکتی ہے، ابھی نمناک آنکھوں کے پانی خشک نہیں ہو گئے ہیں، اگر آنسو ہی پیارے ہیں۔ تو اے لڑکی "تو بھی محبت کی راہ میں بھکارن بن کے بیٹھ" درد کو سنگار بنا اور خستگی کو زیور۔ اپنے حسین چہرہ پر اپنے دوپٹہ کا آنچل گھونگھٹ کرلے۔ اور اپنی آنکھوں کو چپکے چپکے تو بھی رونا سکھا،

محبت کی تلاش اور ان محفلوں اور مجلسوں میں عبث ہے۔ تو تو اپنے یوں ہی "سمٹ کے، شرما کے" کسی ایک گوشے میں چھپ کر بیٹھ جا، کہ تلاش کرتا تیری صنف کا ننگ ہے اشعر کہنے والی! دل کو مسرت شعری سے فارغ کر اور اسے اک نئی غم آفرینی کی طرح ڈال، بادہ و مے گساری کے تخئیل و عمل سے درگذر اپنی آنکھوں کو ایک نئے خمار کی چاٹ میں لگا۔ جو مدہوشی و بے خودی کی جگہ جاگنا اور ہوشیار رہنا اپنا وظیفہ بنائیں۔ یہ اگر تجھ سے ممکن ہے تو اے لڑکی اے شباب و شعر، تیرے واسطے آغوش منت بھی ہے۔ مبتلا دل بھی ہے، اور محبت پاش آنسو بھی وگرنہ اس عریاں شباب اور معصیت مملو شعر کے لئے سر مستول کے خلوت خانوں اور بدبختیوں کی مجلسوں کے سوا دنیا میں کچھ نہیں۔ تیری اس رفتار نے دنیا کی آغوشِ قبول بند کردی، دل مردہ کردیئے۔ اور آنسو یکسر خشک!!

مجبورِ گناہ

وہ روز آتے ہیں، اور میرا مضحکہ اڑا جاتے ہیں۔

میرے کمالِ موسیقی کی پُرکیف تعریف، مگر میرے پیشے کی تضحیک

میرے حسن کی پرشوق مدح، لیکن میری عریانیوں کی طویل مذمت، میرے وفائے

جنسی کی پراز احترام ثنا، مگر میرے ہرجائی ہونے کا تلخ ترین گلہ —— یہ

ان کا روز کا مشغلہ تھا۔

پھر کیا میں اُن سے ناراض ہوگئی! —— نہیں۔

کیا میں نے کبھی ان کی جسارتوں کو روکا؟ نہیں

کیوں —— ؟

ان کے اندازِ خطاب میں کچھ سنجیدگی کی اس طرح آمیزش ہوتی تھی

کہ مجھے کچھ بھی کئے نہ بنتا تھا —— وہ سب کچھ کہتے، اور میں اس لطف

مجبور سے تباہ ہوتی تھی ——

انہوں نے میری خاموشی کو فریبِ متانت کہا، کیا میں سمجھتی نہیں؟

—— نہیں، —— سمجھی!

انہوں نے میری تقریر شگفتہ کو پیامِ تصنع کہا کیا مجھے اس سے تکلیف نہ ہوئی ——— نہیں ——— ہوئی!

میرے تپاک پذیرائی کو انہوں نے طلسمِ آداب کہا، میں نے سنا مگر کس طرح ——— ناچار!

میرے حسنِ التفات کو انہوں نے عقدۂ طمع سے تعبیر کیا، میں دیکھا کی، مگر ——— کس دل سے ——— بہ خاطرِ مجبور ——— !

پھر حقیقت تو یہ ہے اخلاص کے اس عمل سے میں پریشان تو ضرور ہوتی تھی، مگر ناراض ہو جانے اور سچ مچ بگڑ بیٹھنے کا جذبہ کبھی پیدا انہیں ہوا ——— ہاں حریف نہ بن جایا کریں تو کیا ہی اچھا ہو!!

بھری محفل میں جب میری دزدیدہ نگاہوں کا کوئی ہدف ہوا ——— تو وہ بھی منہ پھیر کر پکار اٹھے، "میں بھی"!

——— میں نے اطمینان سے جب کسی کو دومنٹ دیکھا، بس انہوں نے چپکے سے کہہ دیا "اب تو بس کرو" میں نے ذرا فکر و تفحص سے نگاہیں نیچی کیں اور کچھ سوچنے لگی وہ معاً کہہ اٹھے، خدا کرے "انفعال ہو" ——— "

ان کی ان ہٹ ہٹی ہوئی بلیح شوخیوں کو دیکھ کر ——— مجھے انہیں متنبہ کر دینا چاہتے تھا، مجھے انہیں روک دینا چاہئے تھا، وہ میرے رجحاناتِ طبع،

اور میلانِ خاطر کو جس جد و جہد کے ساتھ بوجھنا چاہتے، اور پھر اس کے ساتھ ہی کسی خاص سمت کو جو وہ میرے داعیات و حسیات کا رخ پھیر دینا چاہتے تھے تو مجھے لازم تھا ان کی اس حریفانہ سعی کو فوراً روک ٹوک دیتی ہیں سے آتی؛ اور یہ کھلی ہوئی بات تھی کہ میں ہمیشہ ایسے مواقع، تعرض و تھنک پر بگڑ بگڑ بیٹھتی ہوں ——— مگر خدا ہی جانتا ہے، کیوں اول ہی روز سے، ان کے اس استہزائے فصیح سے مانوس ہوتی گئی، اور کبھی جرات نہ ہوئی کہ میں ان سے کہہ دوں "بس صاحب بس" تاہم ایک خلش درونی تھی اور یہ کہ آخر یہ کیا ہے کہ

"وہ روز آتے ہیں، اور میرا مضحکہ اڑا جاتے ہیں"

ہر چند کہ میرے گرد و پیش کے حالات، اور میرے ناز و نعمت کے اہتمامات مجھے اس قسم کی گہری چٹکیوں کے نیل، سہ لینے پر مجبور نہ کرتے تھے۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ آہستہ آہستہ، اندر ہی اندر، میں کسی مخفی تحریک سے متاثر ضرور ہو رہی تھی، میری آنکھیں، میرے مضحکہ اڑانے والے کا پرخلوص احترام کرنے لگی تھیں جو اس سے پہلے کسی کا بھی نہ کر چکی تھیں۔

میرا دل حافظہ کی امداد سے ان کی محبت پذیر باتوں کا ان سے دور ہو کر بھی لطف اٹھانے لگا تھا، اب تو اس ایک گونہ شکستِ پندار کا بھی احساس کم ہونے لگا تھا اور ایسا محسوس ہوتا تھا کہ میری خودداری میری

جمیل تمکنت اس تذلیل گوارا اس تحقیرِ منظور کی عادی سی ہو گئی ہے۔

آہ بالضرور میرے اندر اک ایسی قوت پیدا ہو گئی تھی جو مجھے اس قسم کے اندازِ کلام و طرزِ خطاب کی جانب مائل کرتی رہتی تھی۔ آہ کیسے معلوم ہے کہ "وہ مجبور آتے ہیں اور میرا مضحکہ اڑا جاتے ہیں"! وہی میرے اندر ایک خوشگوار تبدیلی پیدا کر دینے کے ساعی ہیں اور کون ہے جو نہ جان جائے گا کہ ان کی ان حسین کوششوں میں ان کا کوئی بلیغ مدعا" تو پنہاں نہ تھا —!!

میری حیات رقص و نغمہ، آہ میری ہستی عریاں و رسوا، مجھے تسلیم ہے میرے فطرتی گداز و ترنم کو مسخ و پامال کر چکی ہیں نے کسبِ معیشت میں سعی مجبور کی ہیں نے اکل و شرب کے لئے ناچار قدم بڑھایا، تاہم یہ صحیح ہے کہ میری فطرت اس اقدام سے زخمی ہو گئی اس سے میری شعریت داغدار ہو گئی۔ مگر سہیل اس پند و نصیحت سے فائدہ؟ غالباً تمہیں اعتراف کر لینا پڑے گا، کہ عورت جب پایۂ عصمت سے گر پڑی، پھر ساری عمر وہ سوسائٹی میں سچی عزت کی مستحق نہیں سمجھی جاتی، اس کو اغوا و فریب ہی سہی لیکن ایک مرتبہ ہی دھوکا کھا لینا ساری عمر کے انفعال و ندامت کے لئے کافی ہے — وہ ماں باپ یا خاوند کے گھر سے ایک گھنٹہ بھی بلا طمانیت غائب ہوئی پھر کہیں ٹھکانا نہیں ملتا —"

ہاں یہ کیا کہا اور صنوبر! تم حسین ہو اور ایسی حسین جو مردانہ قوتوں پر

صحیح حکمرانی کر سکو، تم جمیل ہو اور اتنی جمیل جو کسی پاک خلوت کا سکون، جو کسی معصوم دل کا آرام بن سکو، تعجب ہے تمہاری سی حسین لڑکی ان آوارگیوں میں مبتلا رہے۔ حیرت ہے تمہاری جیسی پاکیزہ صورت اپنے اندر اس قدر تاریکی پوشیدہ رکھے ——"

سہیل بے شک تعجب کرو اور جس قدر چاہو ملامتیں بھیجو لیکن کیا تم کوئی معقول جواب اس بات کا دے سکتے ہو کہ ملک کی مسلسل قحط سالیوں اور اقتصادی مصائب کے ہاتھوں کوئی شریف گھرانہ تباہ ہو جائے اور ایسے خاندان کی کوئی لڑکی امتدادِ زمانہ سے ٹھوکریں کھاتے کھاتے اس شرافت فروش طبقہ کے ہاتھوں پڑ جائے اور پھر وہ اسی طبقہ میں حیات رسوا بسر کر دینے پر مجبور ہو۔ اب یہ ملامتیں کہاں تک صحیح ہیں ملک نے تباہ حال خاندانوں فاقہ نصیب انسانوں کے لئے اپنے کس شریف جذبہ کی آج تک عملاً نمائش کی؟

حکومت نے انسداد فواحشات میں کون سی نمایاں کارروائی کی شہروں کے بڑے بڑے بازار عصمت فروشی کے مرکز بنے ہوئے ہیں اور مخفی و پوشیدہ صرف ظاہر بین نگاہوں سے اوجھل ہزاروں چکلے ہیں جہاں انسانیت ذبح ہو رہی ہے۔ ان تاریکیوں میں ہزاروں معزز گھرانوں کی تباہیاں، فلاکت و عسرت کے ہاتھوں روزانہ عزتوں کی پامالی اور رسوائی سے خوش ہونے

والوں کے آگے ڈالی جاتی ہیں ـــــــ!

صنوبر وہ ایک ذلیل لڑکی، جس کی خاندانی شرافتیں مسلّم، جس کی عزتیں مشہور اگر آج اس ذلیل طبقہ سے نکلنا بھی چاہے تو بتاؤ سوسائٹی فراخ حوصلگی سے اُس کو قبول کرنے کے واسطے کہاں تک تیار ہے۔

آپ یاد کر لیجئے مجھ سے اپنی ساری عریاں زندگی میں صرف ایک مرتبہ غلطی ہوئی ہے اور پھر وہ بھی مجبور ـــــــ "اگر میرا حریف میری زار نالی پر ذرا دل دکھا لیتا ـــــــ میری التجاؤں پر ذرا توجہ کر لیتا تو میں ساری عمر کے لئے عصمت اور عزت کو بچا لیتی" ـــــــ اب نہ مجھے ماں باپ کا گھر قبول کر سکتا ہے، اور نہ اشتراک جنسی کے لئے کوئی عزت حاصل ہو سکتی ہے۔ سہیل میری روح تاریک نہیں ہے۔ میری حسیات مردہ نہیں ہیں۔ مجھے نہ ستاؤ، مجھے نہ چھیڑو، مجھے زیادہ ذلیل نہ کرو، ـــــــ ہاں میں تمہارے شریفانہ جذبات سے اپیل کرتی ہوں کہ اگر مرد ہو تو ہندوستان کے تباہ حال گھرانوں کو نکبت و فلاکت کی اس آخری ذلت تک پہنچنے سے بچا لو، ہمارے ملک کی روزانہ مالی نزاکتوں اور اقتصادی مشکلوں نے ہماری عفیفہ اور باعصمت بچیوں کی عزت پر بنا دی ہے یہ فواحشات کی کثرت اور زنا و حرام کے مخصوص مقامات کی یہ رونق، اور خفیہ آوارگیوں کی یہ زیادتیاں آخر کب تک تمہاری توجہ کو اپنی جانب مائل نہ کر سکیں گی؟" اب زیادہ

وقت نہیں کہ تم ملک کی اس تکلیف، اپنے معاشرت کے اس زخم سے اغماض کرو اس کے بعد اگر عزت کی وہی نگاہیں میرے واسطے مخصوص کر سکتے ہو جو اک باعصمت خاتون کا حق ہیں۔ تو آؤ میرا ہاتھ پکڑ لو، مجھے رقص و نغمہ کی زندگی سے اٹھالو، مجھے بوالہوسوں کے حسن سلوک اور فریب مطامع سے بچالو۔ میرے حسن کو نمائش مذموم کی عادتِ ثانیہ سے سبکدوشی بخشو، عورت ہاں ممثل حجاب ہے اس کی فطرت بدل نہیں جاتی، ایک ذرا سا سہارا دو وہ پھر تجدیدِ عہد کرتی ہے۔ اس کو موقعہ دو کہ وہ وعدہ کی شانِ ایفا پھر پیش کر سکے۔

سہیل اگر چاہتے ہو، تو صنوبر کو، جس کا اصل نام صغریٰ ہے تم ذرا سی امداد میں اس کو قعرِ ذلت سے نکال کر عزت و فراغت کی بلند ترین جگہ پر بٹھا سکتے ہو"

محبت و پرستاری کا مفہوم تو میں نہیں جانتی طاعت و بندگی کے اسباب سے ہاں میرا سینہ معمور ہے کیا تم اس کو، اس متاعِ حقیر کو خرید لو گے؟ فخر جنسی، اور غرورِ فطرت، مجھ سے میری قسمت نے لے لیا ہے، اگر تم چاہو تو زخمی دل اور منفعل حیات پیش کر سکتی ہوں ——————!

اقتدارِ حکومت اور دل پر حکمرانی، میں اب نہ کر سکوں گی مگر ساری عمر کے لئے اشکبار آنکھوں کی سنت موجود ہے۔ اور خجلت آثار جبیں کے سجدے، میرے پاس سے ابھی کہیں نہیں گئے ——— "کچھ کہو، کچھ فیصلہ کرو، خدا کے

واسطے مجھے یہ کہنے کے قابل بنائے رکھو کہ ——— "

"وہ روز آتے ہیں، اور میرا مضحکہ اڑا جاتے ہیں"

یہ تفصیل تھی اس اختصار کی جس کا اختصار، میری اس تفصیل کا محتاج نہیں جب کہ میں اس اخلاص عمیق کا اس آزمائشِ عظیم کا چار سال مسلسل مقابلہ اور مطالعہ کرتی رہی" اور وہ آہ

"روز آتے ہیں، اور میرا مضحکہ اڑا جاتے ہیں"

آپ یقین کیجئے، اب مجھ میں اس مذاق کی برداشت کی زیادہ قوت نہ تھی اس قدر بسیط امتحان کے بعد کچھ اور دنوں میں مزید آزمائشوں کے لئے آمادہ نہ تھی، جب کہ ایک روز شام کو وہ آئے، اور میرے خیالات میں ایک طوفانی تموج پیدا ہوگیا۔ میں بخار میں مبتلا تھی۔ ان کی عیادت، آہ بیمار رہی ہے آگاہ، اُن کی عیادت ستم برپا کر گئی۔ جب کہ میرے آنسوؤں کی فراوانی نے ان کو بے تابِ الم کر دیا۔ وہ میرے پاس بیٹھ گئے۔ خادمہ چلی گئی۔ سب لوگ ہٹ گئے میں نے کہا سہیل ——— یہ چار سال کے مصارف کی مسلسل برداشت اور یہ بے غرضانہ سلوک، واخلاص آخر اپنی ضائعات کی کوئی غرض بھی رکھتا ہے؟

بوالہوسوں کے انداز صرف سے ہمیشہ تم نے بلندی دکھائی اور اس مکان کی مالک بڑی بی سے کبھی تم نے وہ نہ کہا ——— جو ظہور کہتا ہے ——— "

اچھا پھر آسان تھا اور اسی میں مسرتیں بھی پنہاں تھیں۔ کہ کہہ دیتے
شاید "تم مجھے نگہِ لطف سے دیکھتے ہو" لیکن آہ میری نظروں کا آشیانہ یوں بھی تاراج ناکامی ہی رہا ——— پھر بتاؤ تم کو اس طرح جینے میں کیا لُطف ہے۔ اور میرے مرجانے میں اب کیا روک ہے ؟

یہ حقیقت ہے ہذیاں نہ کہو، یہ پیغام موت ہے اس کو بخار نہ سمجھو، کاش اس آخری لمحۂ حیات میں تم مجھے اپنی پاک محبت کا پیغام دے سکتے۔ آہ ——— دے دیتے"!

بخار کی شدت اور ضعف نے مجھے بے ہوش کر دیا اور نہیں معلوم میں کب تک بیہوش رہی ——— مگر ہوش میں آنے کے بعد پہلے جس خواب کو میں نے دیکھا یہ تھا کہ سہیل نہایت مضطرب و پریشان میری مسہری کے پائین میں بیٹھے ہیں۔ اور میرے پیروں پر اُن کا سر ہے۔

میں نے آنکھیں بند کر لیں ——— تاکہ بیداری کی پہلے توثیق ہو جائے آہ فرشتہ نے گنہگار عورت کے دونوں پاؤں چشمۂ کوثر کے سے پانی کے قطروں، آہ، اپنے پاک آنسوؤں سے تر کر دیئے۔ مجھے ایک برقی اضطراب نے اُٹھا کر بٹھا دیا۔ اور میری آغوش منتظر حسم انداز کے ساتھ وا ہو گئی ——— "

دنیا شاید نہیں جانتی کہ محبت کا خمیر آنسوؤں کے پانی سے گوندھا گیا ہے"!

میرے کان اس تقریر کی لذت سے اب تک سرشار ہیں۔ اور میری

حالت اس اعلان شرافت کی شاہد موجود جو اس وقت سہیل کے انقلاب عمل سے پیدا ہو کر رہ گیا۔ صنوبر! پاک خیال صنوبر، مجسمہ حسن و شرافت صنوبر، تم ماں باپ کی صغری، اپنے پرستار کی صنوبر!!

تم، باور کرو، میں تمہارے واسطے جہاد کرتا ہوں اور اپنی لازوال محبت کا اعلان، مجھے تسلیم ہے سوسائٹی ابھی فرضی عزتوں کے گورکھ دھندے میں مبتلا ہے اس کے ہاں اصلاحِ مفاسد کی عملی تدبیر مذموم ہے! تاہم مجھے پروا نہیں، یہ چار سال کی خاموشی۔ اور یہ صرف جائز اس بنا پر روا رکھا کہ میں تمہارے کیرکٹر کا مطالعہ کر لوں۔ اور زیر باری اس واسطے کہ تم پر فریب طمع کے ہاتھوں جو مصیبتیں نازل ہوتی ہیں اُن سے محفوظ رہ سکو،

شکر ہے، تمہاری دلپذیر صورت نے جو نقش قائم کیا تھا اُس کو تمہاری جمیل سیرت نے اور مستحکم اور گہرا کر دیا۔

میں ملک کے ان لفظی اصلاح کی چیخ و پکار کرنے والوں کے سامنے تمہارے الفاظ کے ساتھ اپیل کروں گا کہ وہ خدارا بیدار ہوں۔ اور ہماری معاشرتی تلخیوں عسرت و فلاکت سے تباہ ہونے والوں کی حالت پر متوجہ ہوں۔ ایک عالمگیر بیت المال کی طرح ڈالنا چاہیئے کثرت سے دار الیتامیٰ ہونے چاہئیں اور ہر وقت امداد دینے کے بہت سے انتظامات، جس سے نکبت و عسرت ہماری قوم سے دور ہو۔ فلاکت و فاقہ زدگی سے جو مصیبتوں کا ارتکاب

انسان سے ممکن ہے اس سے قوم محفوظ رہ سکے مرد، آزاد مرد، جو بے حس، اور بعض مواقع درد پر حقیقتاً درندہ ثابت ہوتا ہے، خدارا سوسائٹی کے نظام امن کو درہم برہم نہ کرے، وہ نہیں جانتا کہ اس کی شیطنت، اس کی سببہ مستی۔ اس کی معصیت، اس کا فریب جنس نازک کے حق میں بعض اوقات کیسا ناقابل تلافی ظلم ثابت ہوتا ہے علی الخصوص اس کی وہ ابلیسانہ جسارت جب کہ وہ حسن نسائیت کے برباد کر دینے پر جری ہو جاتے!

آہ عورت ایک مرتبہ بہک جانے سے پھر کسی قابل نہیں رہتی!

اور مرد، اے ناہنجار مرد، تو روز مشغول معصیت رہے اور پھر سوسائٹی تجھے اپنے میں سے باہر نہیں نکالتی۔

اس کمزوری اس احتساب نفس کے احتراز سے ایک جنس فائدہ اٹھائے، اور دوسری جنس، رسوائیوں، ذلتوں اور مصیبتوں کی زندگی بسر کرے بیشرم شرم!!

صنوبر! پیاری صغرا! میری جانب سے تیرے واسطے وہی عزتیں ہیں جو پاک دامنوں کا حصہ ہیں۔ میرا دل اور اس کی محبت پختہ پیمانِ وفا کے ساتھ تیرے حضور پیش ہے تو قبول کر تو نے جہاد علی النفس کیا ہے۔ تو نے مرد کے مظالم کی پاداش میں مصیبتیں جھیلی ہیں۔ تو نے سوسائٹی کی غفلت سے درندوں میں عمر بسر کی ہے۔ تو نے ملک کی مشہور ذی حس آبادی کو پیغام توجہ دے دیا ہے تو نے گنہ گار طبقہ میں رہ کر اس شے کی حفاظت کی جس کی حفاظت پر تو قطعاً

قادر نہ تھی"

سترہ سال کی ہماز نین عمر میں، تنہا، جس مضبوط کیرکٹر کا تو نے نمونہ پیش کیا ہے آج وہ ستر سال کے معمر مرد سے ناممکن ہے۔

میں تیرا وہ راز جو مخصوص تباہی کے ہاتھوں تیرے خاندان سے وابستہ ہو گیا ہے، ہاں میں ایک خاندان کی وہ رسوائی جوان کی لڑکی کے چھ سال کی عمر میں غائب ہو جانے سے تیرا بھید بن گئی ہے کبھی کسی پر ظاہر نہ کروں گا۔

________ صنوبر اس وقت میرا وعدہ تو اپنی تشفی کا ذریعہ بنا ہے بہت جلد میں اور تو وہ ہونگے جس کا مجھ کو اور تجھ کو اشتیاق ہے، ________"

میں محبت کے ساتھ تیرا احترام کرتا ہوں ________ "اور ہمیشہ کروں گا۔


درهٔ موت

درّۂ موت

"موت کا ہمیشہ کھلا ہوا دروازہ" ابتدائے عالم کے دوسرے ہی لمحہ سے شاید کھول دیا گیا ہے۔ اور اب اس کے بند ہونے کے متعلق وثوق سے نہیں کہا جا سکتا کہ کب ہوگا لیکن یہ امر مسلم ہے کہ لاکھوں ہی اس راہ سے گزر گئے اور جو باقی ہیں ان سب کو بھی اسی راستے سے گزرنا ہے۔ مبہم اور واضح، معین اور غیر معین ہزاروں باتیں اور لاکھوں دلچسپیاں ہیں جو اس راہگذر کے اس کنارے سے وابستہ بیان کی جاتی ہیں اور صورتِ حال یہ ہے کہ جو اِدھر سے اُدھر گیا پھر لوٹ کے نہیں آیا۔ کاش کہ کوئی تو پلٹ کے آتا اور ہمیں اپنے مشاہدہ و سیر کے افسانے سناتا جس سے ہم قطع مسافت کی دقتوں، مصائب کی لذتوں اور منازل کی صعوبتوں کا اندازہ کر سکتے۔ کیسے معلوم ہے کہ وہاں گرمی ہے یا سردی، کیسی مخلوق بستی ہے، وہ کچھ کھاتے پیتے ہیں یا نہیں۔ ان کی بولی کیا ہے۔ کس چیز کی وہاں قدر کی جاتی ہے۔ وہ کیا شئے ہے۔ جس سے سب کو نفرت ہے۔ اگر اس کا کچھ ٹھیک ٹھیک پتہ چل جاتا تو زادِ راہ کی فراہمی سامان کی ترتیب اور مسافرت کے لوازم دنیاوی میں بہت مدد ملتی۔

اب وہی اکابرِ امم ہیں جنھوں نے اپنے ملکاتِ روحی اور حدس الہامی سے اس راہ کے متعلق کچھ اطلاعیں دی ہیں، وہی ہمارا جغرافیہ ہے، وہی ہماری تاریخ۔ اسی سے تقسیم منازل کا پتہ لگتا ہے۔ اور اُسی سے صورت قیام معلوم ہوتی ہے۔ مسافرت کے لوازم، اور اس دیار کے رسم و رواج کی کچھ سُن گُن لگتی ہے تو بھی اُسی سے، اور یہی ہمارا دین و ایمان ہے!

انسانی حیات کی تکمیل طفلی، شباب اور کہولت کے تین درجوں پر موقوف ہے۔ جب انسان آخری درجہ طبعی کو طے کر لیتا ہے۔ تو اُس کے امتحان فراغت کی گھڑی آجاتی ہے۔ امتحان گاہ تک پہنچنے کے لئے اجل کے دروازہ سے گزرنا ناگزیر ہے۔ اور ایک بھی راہرو آخرت ایسا نہیں جو اس راہ سے نہ گذرا ہو، انسان کا اس عالم کے مختصر سے قیام کے بعد جو قدم اس سمت کو اٹھتا ہے۔ وہ یکسر "بیم و رجا" سے معمور ہوتا ہے اور یہی دھڑکا جان کے ساتھ لگا رہتا ہے کہ دیکھئے پہلی منزل میں کیا کچھ نہ بیت جائے۔ ملک اجنبی ہے، طور و طریق قیام سے ناواقفیت ہے۔ زبان اور آداب سے بیگانگی ہے۔ پھر مسافر غریب کی بے سروسامانی، اس کے پاس تو کچھ ہے بھی نہیں، ہاں عمل کے چند کھوٹے سکے ہیں جو اس دنیا میں تو مکر اور فریب سے چلتے رہے اور جعل نہ کھلا اب خدا جانے وہاں بھی ان کا چلن ہے یا نہیں —— اس کے بعد "زادِ راہ" میں سے کچھ اور بھی اگر ہے تو ایک فردِ حساب ہے، اس کی بھی

یہاں جانچ پڑتال نہ ہو سکی، ادھر دیکھئے اس کا کیا لکھا پورا ہو۔!

جانے والوں میں سے ایسے لوگ جنہوں نے اسباب سفر کچھ پہلے سے باندھ رکھا تھا، پھر بھی کچھ نہ کچھ پوچھ گچھ کر ساتھ لے ہی لیا۔ مگر ایسے نادان جو کاروبار اور علائق میں مصروف و منہمک رہے، وہ تو اچانک طلب پر دفعتہً چل کھڑے ہونے پر مجبور تھے ———— اللہ ان کے ساتھ کیا گزرے گی؟

ہائے وہ غافل اور سست ہوس انسان جس کی زیست کا سارا زمانہ لہو و لعب میں گزرا جس کی بساط حیات نسیاں کی گلکاریوں سے حلقہ دام فریب بنی رہی، اُس نے ایک لمحہ کے لئے بھی نہ سوچا کہ ہوس کی یہ ریشمی ڈوری انجام کار اُسی کے گلے کا پھندا بنے گی۔ درہم و دینار کے صرف بے جا سے مفرح شربت سنہرے ساغروں میں اڑتے رہے۔ اس کی خبر بھی نہ لی کہ اجل کے جام تلخ سے اسکے لب و حلقوم کے ذائقے بدل جائیں گے۔ اور اس آبِ آتشیں کو بھی پینا پڑے گا جس سے قضا کے اسہال لگ جاتے ہیں!

بُرے اعمال کی فتنہ سامانیاں، وہ بھی وقت تھا جب کہ پری پیکر بھوت کی طرح سر پہ سوار تھیں، مئے و مطلوب کی جلوہ فرمائیوں سے ہوش و مزہ کی آنکھیں چندھیائی ہوئی تھیں۔ دماغ معطل تھا۔ اور فکرِ عاقبت کافور، پھر جب عیش کا دور ختم ہوا اور بزم شب کی سحر ہوئی تو لیلائے حیات بھی ردا، چاک تھی، نہ رخنہ کوئی رفو کے قابل تھا اور نہ دھبہ کوئی دھلنے کے لائق نفس

کے جس تار کو دیکھیے ٹوٹ جانے پر آمادہ، پیرہن زیست کے جس داغ کو دیکھیے
چھوٹنے سے بیزار، ذلّت کا احساس ہے کہ روح میں سوئیاں بھونک رہا
ہے، عمل کی ندامت ہے کہ دل و جگر میں بجلیاں تڑپا رہی ہے۔ اس رستخیز بلا میں
"شباب گریز پا" پر جو کچھ نہ گزر جائے کم ہے۔ اب یہ رو ٹھے کہ ملے، روئے کہ
مچلے عشرت کے خمیازہ کو جھیلے بغیر چارہ نہیں!

او منچلے نادان! تیری شوخیاں، سرمستیاں اور بیباکیاں گنہگار نگاہوں
میں کس قدر محبوب تھیں مگر تجھے معلوم نہ تھا کہ پایان کار یہ سب باتیں، یہ ساری
ادائیں، بے ادبیوں، گستاخیوں اور سرکشیوں کا عنوان بن جائیں گی اور
قانونِ ادب کی زبان ان کو "معصیت" کے نام سے تعبیر کرے گی۔ پھر معصیت
اپنے ارتکاب عمل کے بعد لاکھ سرنگوں اور شرمسار اپنے آپ کو پیش کرے اور
عالمِ رنگیں کے نقش و نگار سے ہزار منہ پھیر پھیر کے بیٹھنے پر عصمت کی وہ آب
کہاں! معصیت پھر معصیت ہے اور پاداش، اس کا ثمر لازمی ہے ہاں وہ
کروڑ "تاسف" کیا کرے اپنی مایوسیوں کی ماتم داری اور بیچارگی کی نمائش کرتی
رہے، مگر اس کی کوئی پرسش اور وقعت نہیں۔ مکافات کے قانون کا فیصلہ
اٹل ہے اور لغزشِ عمل کی سزا بھگتنا ناگزیر۔

دنیائے احساس جہاں قدم قدم پر ایمان اور ضمیر کی فرمانروائی ہے،
جس کی حضوری میں کے ہر ذرہ میں تصدیق کی روح پڑی جگمگا رہی ہے حقیقت

میں ایسے ہی قدسی نفوس، انسانوں کا ملجا و مامن ہے، جو رات اور دن، تاریکی اور روشنی برائی اور بھلائی میں تمیز کا وقوف رکھتے ہیں۔ جن کا مبارک کام یہ ہو کہ وہ راہ سے بھٹک جانے والوں کو ٹھکانے تک پہنچائیں، بہک جانے والوں کو سیدھی راہ سوجھائیں، پھر کون ہے جو "مجاہد حق" کے اس محمود مسلک کو بنظر استحسان نہ دیکھے گا۔ اور کس کی عقل ہے جو حق و صداقت کے اس ممدو معاون محترم وجود کے لئے کوئی "بخشش" اور حیلہ نہ تسلیم کرے۔ لاریب کہ با وقعت اور ذی عزت وہی ہستیاں ہیں جو امر بالمعروف کی علمبردار اور نہی عن المنکر کے لئے ہیکل تادیب و سرزنش ہیں، احتساب اُن کی انسانیت کا ادنیٰ فرض، اصلاح مفاسد کا مادہ ان کا مایۂ خمیر، اور برائیوں کی پرچول اُن کی گھٹی۔ جہاں کسی سے "جرم" صادر ہوا یہ دار و گیر پر مستعد جب کوئی خطا کاری پر جری ہوا یہ اس کے قلع و قمع پر آمادہ، پس شرف اس عالم میں اگر کسی کو ہے تو ان ہی کو، اور آخرت کی بزرگی بھی اگر کسی کے واسطے ہے تو ان ہی کے لئے۔

خطا کار غلطیاں کرتے ہیں، ٹھوکریں کھاتے ہیں اور تماشا دیکھنے برأت کے لئے نت نئی منطق چھانٹتے ہیں، قوۃ تعقل، دلیل کی آڑ پیدا کرتی ہے لیکن یہ امر مسلم ہے کہ مرتکب جرم کی خفت و تذلیل، سزا و تعزیر لازمی ہے۔ وہ اس دنیا میں بھی ذلیل عمل ہے اور آخرت میں بھی رسوا انجام۔ پس اس کی ہر ایسی تلاش بے کار ہے، اس کی ہر ایسی تاویل بے سود ہے اور اس کی ہر ایسی فریب

خوردہ بناہ بے دیوار و در کا ایک مکان ہے جس میں کون راحت سے رہنے کا اعادہ کرے۔

انسانی اعمال کا سیاہہ ہر لحظہ و قفۂ تحریر و نگارش ہے۔ اور افسوس اس کو ایسی منشیانہ قوت لکھتی ہے جس کی عبارت مختصر ہے اور جامع، جس کا انداز رقم محمود ہے اور مسلّم۔ جس کے آگے مہاجنی ڈھو نچے، پھلچے اور گرسب گرد، جو شارٹ ہینڈ رائٹنگ سے زیادہ زود نویس، جس کی سطریں طویل تر احوال کا خلاصہ، اور جس کے فقرے طوالت کا نچوڑ ہیں۔ پھر ایسے چابک دست "کاتب اعمال" کے آگے ہمارے روزنامچہ کی کیا پیش جائے گی۔ یہ حکمت اندازیاں اور کذب[الف] آمیز سخن سازیاں، سب دھری رہ جائیں گی، اور نفسِ امارہ نے جس قدر سرقے[ب] اور چوریاں کی ہیں ان کو جب میزانِ تنقید پر رکھا جائے گا تو حساب کی پول کھل جائے گی۔ ہمارے فریب کے جوڑ توڑ اور مکر کے سلسلے ہمارے حق میں زنجیرِ ملامت اور طوقِ لعنت بنیں گے!

وہ خراب "فسق"[ج] جس نے خدائے بزرگ و برتر کی پاک زمین کے گل بوٹوں کو غارتِ پامالی کیا ہے جس نے چمنستانِ عالم کے سبزۂ آسودۂ عصمت کو نفسِ شریر و گستاخ کی چراگاہ سمجھا ہے کیا وہ مطمئن ہے کہ اس کو تاراجِ گل و تباہیِ غنچہ کا حساب و بیانہ پڑے گا۔ چپہ چپہ گلشنِ دہر کا اور ٹکڑہ ٹکڑہ باغِ دنیا

کا جب اپنی مظلومی کی داستان اس کے خلاف سنائے گا تو کیا اس کو چھوڑ دیا جائے گا؟

وہ "لعین شرک"(د) جس کو مادیت کے کثرتِ جلوہ نے احول چشم بنا دیا ہے۔ اسکے لئے یہ دورنگی، ملبوس کے نت نئے روپ کب تک؟ فریب و دجل کے یہ ہتھکنڈے کہاں تک ساتھ دیں گے؟ من ملنے معبودوں کی خدائی تا کجے؟ دیکھ لینا ایک جرم کی دو دو سزائیں بھگت کر بھی پیچھا نہ چھوٹے گا۔ وہ دن سر پر کھڑا ہے کہ جب یہ انانیت کا طلسم ٹوٹے اور تیری بے بضاعت تعلّی اور بانکپن رو پڑے۔

کیسے مطمئن اور شاد ہیں وہ لوگ جنہوں نے سیدھی اور سچی راہ اختیار کرلی، دنیا میں سب سے زیادہ کٹھن منزل موت کی ہے اور دنیا نے ہزاروں مرتبہ یہ تماشا دیکھ لیا ہے کہ جب کسی رضا الٰہی کے بندے کو یہ نوبت آتی ہے۔ تو وہ نہایت مسرت، نہایت سکون، نہایت تصدیق کے ساتھ روح کی امانت کو اجل کے سپرد کر دیتا ہے۔ اس کے قلب سے ایک ایمانی روشنی نکلتی ہے جو سکرات کی تلخیوں اور نزع کی پر ظلمت تکلیفوں کو بہت جلد لذت و راحت سے بدل دیتی ہے اور یہ مسافر ہنستا کھیلتا اس راہ سے گذر جاتا ہے۔ موت کی ہیبت ناک صورت اس طاعت شعار کو ذرا بھی توڈراؤنی نہیں معلوم ہوتی۔

برخلاف اس کے وہ پانی جس کے گھٹ میں میل ہے، وہ مسافر جس

کے ہاتھ میں چوری کا سامان ہے کبھی اطمینان کے ساتھ راستہ طے نہیں کرسکتا جب
پرسش و تفحص کی گھڑی پیش آتی ہے تو اسکے دل کی دھڑکن غیر معمولی طور پر بڑھ
جاتی ہے۔ یہ جواں ہمت بھی مشہور ہو مگر ایسی ساعتوں میں بچوں کی طرح بے بس و
بے کس نظر آتا ہے "خوف"[۱۳] کے مارے اس کے حواس خراب ہو جاتے ہیں۔ وہ ڈر
جو سیہ کاری کی وجہ سے پیدا ہو جاتا ہے انسانی روح کے لئے ایک جونک ہی، جو
آہستہ آہستہ مسرت اور اطمینان کے سارے خون کو چوس لیتی ہے۔ اور وہ خوف
جو بربنائے مآل اندیشی پیدا ہو جائے وہ دنیا میں ہزاروں نیک اعمال کا محرک
ہے، اور اس سے بڑھ کر تضرع و انکسار کے پیدا ہونے کی اور کوئی صورت
نہیں ـــــــ مگر آہ! گنہگار کا خوف وہ خوف ہے جو ایڑیاں رگڑوا رگڑوا کر
انسان کو ہلاک کر دیتا ہے۔

دنیا میں "مذاہب نے" جو تعلیم اخلاق اور حق پرستی کی دی ہے اُس
میں فلاح اگر مرکوز ہے تو ابنِ آدم ہی کی ہے۔ تعجب ہے اگر ایسے الہامی صحیفوں اور
آسمانی کتابوں کے ارشاد و ہدایت سے انسان روگردانی اختیار کرے لیکن کچھ
بھی ہو سرگذشت ابن البشر کی یہی ہے کہ اسکو معلم اخلاق ملے، ہادیانِ راہِ حق
نصیب ہوئے اس کو کتابیں راستی اور نیکی کی باتیں اختیار کرنے کے لئے
عطا ہوئیں مگر جب یہ اپنی ہستی پر آیا ہے تو سب کو پسِ پشت ڈال دیتا ہے۔
پھر آگے چل کر خمارِ گندم اترتا ہے تو حضرت ہائے وائے پر مستعد نظر آتے ہیں۔

سب سے زیادہ فطرتِ انسانی کے امتحان و آزمائش کی ساعت وہ ہے جب کہ دنیا میں اُس کو تاجِ شہی بر سر اور رعبائے حکومت زیب بر کرنے کا موقع ملے۔ پھر اُس نے بھی تخلیقِ انسانی کے ہر دور میں، تجدیدِ رسم ہامان و فرعون اور احیائے سنتِ نمرود و شداد کے مناظر دکھلا دکھلا دیئے ہیں۔ کاش اس کو بن بن کے کھیل بگڑ جانے اور گلشنوں کو پھل، پھول کے اجڑ جانے سے کوئی عبرت نصیب ہوتی۔ سرفرازوں کے سر کو ذلت سے جھکتے اور شاہی تاجوں کو خاک میں گرتے دنیا نے بارہا دیکھ لیا ہے مگر نصیحت معلوم!

دنیا نام، مقامِ عشرت کا نہیں، یہ تو مزرعۂ آخرت ہے۔ جیسا بونا ویسا پانا، "اعمالِ حسن" کے بیج خلوص کی زمین کو سونپو تاکہ حاصل کے وقت مراد کے دامن، پھل اور پھول سے بھریں اور مشامِ روح کے لئے یہ تحفۂ عطر آگیں قابلِ مسرت و راحت ہو ورنہ یوں تو ہر لغزشِ عمل اور ہر بہک جانے کی شکل کے لئے "مواخذہ" کی دار و رسن موجود ہے۔

ندرتِ ذوق و نظر

(۱)

ان ہی کچی پکی مٹی کی چار دیواریوں میں اب بھی بعض لوگ ایسے رہتے ہیں کہ اگر دنیا کو ان کے متعلق صحیح معلومات نصیب ہو جائے، تو اُس کی مسرت، عہدِ عتیق کے کسی پرانے دفینہ کی دریافت سے کچھ کم نہ ہو۔

آبادی کے اسی ہنگامے میں ملے جُلے، کچھ افراد ایسے بھی ہیں کہ اگر زمانہ اُن کو، ان کی حقیقی قابلیت کے علم کے ساتھ حاصل کر لے، تو آج بھی فنونِ لطیفہ کی بعض شاخوں میں جدید اکتشافات کا اضافہ ممکن ہے۔

رشید، گیا ہے اک چھریرا سا، خوب صورت بائیس تئیس سالہ نوجوان، عام ہیئتِ جسمی سے نتیں مگر جس وقت کسی طرف دیکھے تو اُس کی گردن میں وہ ذرا خم کا پیدا ہو جاتا، اُس کی شوخیٔ فطرت کی دلیل، قیافہ مضمحل، طبیعت کھوئی ہوئی، دل گرفتہ دلگیر، آشفتہ حال، علی گیریَن گریجویٹ، مگر قدرت کی بلیغ ترین تصنیف۔ اگر خاموش ہو جائے تو مصحفی مرحوم کا جمود شعری، مسکرائے تو آسکر وائلڈ کا استہزائے فصیح، اور جب سرگرم سخن ہو تو

ملک محمد جائسی کی پدماوت، اپنی مکمل رعنائیوں کے ساتھ اُس کے بیان کا ایک جزو محسوس ہو +

کبھی ادب و شعر کی رنگینیوں میں گم۔ کبھی ترک لذات کا مدح خوان۔ کبھی فلسفۂ رہبانیت کا مبلغ، غرض آدمی کیا ہے اک چیستاں ہے۔ پہلے پہلے جب میں اس سے ملا۔ میں نے اس کو دیوانہ سمجھا، مگر جب اُس سے باتیں ہوئیں تو کھو گیا۔ اور اب جب کہ اُس سے کچھ محبت سی ہو گئی ہے تو اپنے آپ کو اُس کے لئے بے تاب سا پاتا ہوں۔

اگرچہ اس کے ادبی افکار و آراء انگریزی ادب اور لٹریچر سے بہت کچھ متعلق ہیں مگر پھر بھی اُس کے محسوساتِ شعری یورپ ہی کی فضا کے لئے مخصوص نہیں۔ مجھے معلوم ہے کاشی و ہردوار کی زمین بھی اُس کے سجدۂ ادبیت کی اک خاص سمت ہے۔

یوں تو اُس کی طبیعت کا کیف خود اپنے لئے، اور احباب کے واسطے ہر وقت اک مستقل دعوتِ لطف ہے۔ لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ جس طرح کششِ مقناطیس کے لئے مادۂ آہن ناگزیر ہے بالکل اسی طرح بعض لطیف عنوانات ہیں، جن پر رشید کے ذوق تکلم کا پیمانہ بے اختیار چھلکنے لگتا ہے۔

میں کسی طرح بھی وہ زمانہ نہیں بھول سکتا، جب کہ مسلسل چھ سات

روز میں نے رشید کو دیکھا کہ اُس نے شاید اپنی زندگی کے لئے فیصلہ کر لیا ہے، کہ یوں ہی بلا کچھ کھائے، پئے، بلا کچھ بولے چالے، خاموش۔ اُور اس بقیہ حیات بسر کر دے گا۔

صبح ہو یا شام، دن ہو یا رات، اک کیفیت ہے کہ اس پر مستولی ہے، چپ ہے، مسرور ہے، مست ہے، آخر چھٹے یا ساتویں روز بے حد منتوں سے میں نے اُس کو اپنی جانب متوجہ کیا۔ بڑے اصرار سے اس حالت کے اسباب کو دریافت کرنا چاہا مگر جس اجمال سے اُس نے کام لیا ہے اُس کے بلاغت ذوق کا اُس سے پتہ چلتا ہے، اس نے کہا "فتح النسا" کے کوچے سے نکل رہا تھا کہ میرے کانوں میں آواز آئی اور پھر مرے ہوش بجا نہ رہے دیکھو کیا ماجرا طراز جملہ ہے۔

"ادھر تو آ۔ ارے او پھول والے!!"

اُس نے کہا، "مظہر تم ہی کہو اس طلب نکہت، اس تفصیل ذوق، اس ترنم صوت کا صحیح جواب مرد کی مبتلا طبیعت، خرابی مذاق اور کج خستگی فطرت کبھی دے سکتی ہے؟ میرے احساس کی نزاکت کا تقاضا یہی تھا کہ میں اپنی روح کے فشار کو یوں نذر نکہت بنا دیتا۔ ——"

رشید کے وظائف ادبی کی تفصیل تو بہت دشوار ہے مگر غالباً اس قدر اجمال بھی لطف سے خالی نہ ہو گا جو عرض کرتا ہوں۔ اک مرتبہ بمبئی بالا بارہل

کی زیریں سڑک کے موڑ پر، جب کہ مظہر و رشید ساتھ ساتھ جارہے تھے اک زرد رنگ کی نہایت خوبصورت سی موٹر برابر سے گزری، صرف اک نرم و نازک آوازِ قہقہہ ہمارے کانوں میں گونجتی ہوئی گذر گئی مگر رشید حواس باختہ ہو گیا ٹھیک گیارہ بجے رات تک وہیں بے حس و حرکت اک جانب بیٹھا رہا۔ موسیقی جب نغمہ کے کیف میں ڈوب کر اپنا آخری بول، طربون پر اپنا اثر بنا کر پھیلا دے اور کائنات کو تڑپا کر رکھ دے، مصوّر، جب اپنے نقوشِ مصورہ میں آخری رنگ بھرے اور دیکھتا رہ جائے، شاعر تخیل کی کیفیت کو جب ادا کرنے بیٹھے اور دو لفظ خوبی سے کوئی نادر ترکیب اختیار کرلیں، جس پر وہ اچھل پڑے۔ بس ایسا ہی اثر اس شیریں و نازک سے قہقہے نے رشید پر کیا!

قیامِ بمبئی کے زمانہ میں اک مرتبہ رشید دو روز ہوٹل سے غائب رہا، نہایت تلاش کی نہ ملا۔ آخر تیسرے روز چرچ گیٹ کی جنوبی کوٹھیوں کے طویل و حسین سلسلۂ تعمیر کے آخریں حصہ پر جہاں اک مکان کے سامنے مختصر سا پارک ہے اُس کے سبزہ پر آپ خاموش و غمگین پائے گئے۔

یہ مشاغل اُس کے روزانہ وظائف میں داخل ہیں اور احباب اس کے عادی۔ تاہم اُس کے دوستوں میں یہ خلش بھی ہے کہ اُس کا انجام کیا ہوگا!؟

(۲)

رشید کے بعض دوستوں نے مشورہ کیا، کہ چونکہ جوانی صحت اخلاط کے نتائج سے عبارت ہے مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ رشید کے والدین کو یا خود رشید کو شادی پر آمادہ کرنا چاہیئے، اور بات بھی یہ تھی کہ اول اول رشید کو جو لوگ دیکھتے اور اُس سے باتیں کرتے یا اُس کا حال اُس کے خاص دوستوں سے سنتے تھے تو وہ یکایک صحیح رائے قائم کرنے پر قادر نہ ہو سکتے تھے، چونکہ اُس کے خیال کی پرواز بہت بلند و آزاد تھی بعض لوگ تو اُس کا ساتھ ہی نہ دے سکتے تھے مگر اس پر بھی جو لوگ کچھ ہم آہنگ و ہم نوا ہو جاتے تھے اُن میں بھی بہت دیر تک ساتھ دینے کی سکت نہ رہتی تھی، شدت تخیل، غلوئے افکار ہر شخص کا حصہ نہیں۔ تاہم اس شادی کی تحریک نے اُس کی زندگی کے ایک بڑے اغلاق کو واضح کر دیا اور سب لوگ جاننے لگے کہ یہ کس طرح کا معصوم مجنون اور پاکباز دیوانہ ہے۔

سب سے پہلے میں نے ہمت کر کے اُس سے کہا "رشید ماشاءاللہ تم جوان ہو، فارغ ہو، مناسب ہے شادی کر لو۔ شادی شرکت ہے عیش کی جس سے جانبین کی مسرتوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ شادی تدریجی ارتقا ہے۔ تہذیب و تمدن کا اور اخلاق کا تصفیہ بھی اس سے ممکن ہے۔ شادی مردانہ زندگی کا حسن ہے۔ شادی مردانہ عبودیت کا وقار ہے اور سچ تو یہ ہے کہ

شادی ہی مرد کی مصروفیت کی راہ ہے، تمہارا یہ التہاب و اضطراب اور یہ بیکار شباب اک تسلّی چاہتا ہے اور یہ چیز صرف اک عورت کی محبت ہی پیش کر سکتی ہے اِدھر اُدھر تلاش عبث ہے!"

آپ باور کیجئے گا رشید، اک معصومانہ جوش کے ساتھ میری جانب متوجہ ہُوا اور کہنے لگا۔" بس محمود بس خدا کے واسطے حقائق کو اپنے جہل سے مجروح نہ کرو، تم نے اپنی دانست میں بڑی قابلیت سے مسئلہ مناکحت پر روشنی ڈالی ہے۔ مگر یقین کیجئے آپ نے اپنے چھ سات جملوں میں اس درجہ جہل و نادانی سے کام لیا ہے کہ اگر میں چھ سات مہینے تک سرگرم گفتگو رہوں تب بھی شاید تمہارے اغلاقِ منطق کے سلجھاؤ سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ حضرات کی دنیا اور ہے اور مجھ بے کس کی دنیا اور ہے۔ کاش کوئی بات تو آپ نے سوچ سمجھ کر کہی ہوتی۔ یہ اختیاری شبہات، یہ یک طرفہ تصدیقِ ظنیات۔ یہ خود ساختہ ابہام۔ یہ اغلاط کے خوشنما عنوانات! کیا آپ کی دنیا کی تعمیر ان ہی خرابیوں پر منحصر ہے۔؟!

"تم نے یہی کہا ہے نا کہ تم جوان ہو۔ فارغ ہو، شادی کر لو۔

"محمود! جوانی یہ تعینِ زمانی واللہ اس دنیا کے جذباتِ کثیف کی اصطلاحات ہیں جن کے ہاں طفلی۔ جوانی۔ ضعیفی کے کچھ مدارج و مشاغل الگ الگ مختص و قائم ہیں۔ اور حیات کی یہ تقسیم سہ گانہ اپنے اندر کچھ بیکاری۔ کچھ

لہو ولعب۔ اور کچھ بندگی و بےچارگی کی تفصیل پوشیدہ رکھتی ہے۔ ورنہ مجھ سے اگر پوچھئے تو انسان کی یہ ہوشمندئ حس، اک حیات ہے غیر فانی اور اس کی نہ طفلی ہے۔ نہ شباب اور نہ بڑھاپا۔ جب تک حسی اسندراکات زندہ ہیں۔ انسان زندہ ہے ورنہ یوں آدمی جیا کرے۔ مگر اس نعمت سے محروم، تو اُس کی زندگی حقیقت میں وہی زندگی ہے جہاں بچپن بھی ہے جوانی بھی ہے اور ضعیفی بھی، جس کے ساتھ ساتھ زوال ہے اور جس کے آگے پیچھے اجل!

"پس میری جوانی اس نوع کی جوانی نہیں جیسا تم نے فرض کیا ہے، اور اس طرح تم نے مجھ پر میری معصومیت پر اپنی جوانی سے ظلم توڑے ہیں! ہاں اُس جوانی سے جو سراسر غلاظت کا اک ڈھیر ہے!!

"تم نے کہا ہے کہ تم فارغ ہو!؟

"ہاں تمہاری دنیا میں اگر متفکر و متلاشی، فارغ کہلائے جاتے ہیں تو مجھے بھی تم فارغ کہہ لو ورنہ میں تو محمود! اس درجہ مصروف ہوں جس کے مقابلہ میں تمہاری مصروفیتیں میری فراغت کا اک داغ ہیں،

تم یہی فرماتے ہو کہ شادی کر لو، اس سے جانبین کی مسرتوں میں اضافہ ہوتا ہے۔ "شادی شرکت ہے عیش کی!" شاید محمود! تم نے اپنی عمر کے کسی حصے میں بھی اس بات پر غور نہیں کیا کہ شادی کیوں کرتے ہیں؟ شادی کی

کیوں ضرورت ہے؟ ورنہ تمہاری زبان سے کبھی تحریص وتشویق کے لئے ایسے جملے نہ نکلتے۔ دیکھو آسکر وائلڈ کہتا ہے "مرد اس لئے شادی کرتے ہیں کہ وہ تنگ آجاتے ہیں۔ عورتیں اس لئے شادی کرتی ہیں کہ وہ نئی زندگی کا اشتیاق رکھتی ہیں۔" پس تو بحمداللہ اس صحتِ اخلاط کے ہنگامی نتائج واثر سے، جس کو تم جوانی کہتے ہو، میں اُس کی ولولہ خیز تحریکات سے ابھی مغلوب ومتاثر نہیں ہؤا ہوں۔ میں آپ لوگوں کی سی جوانی کا مالک نہیں، اور نہ اس جوانی کے التہاب و اضطراب سے میں تنگ آگیا۔ نہ ابھی میری مصروفیتوں سے مجھے رستگاری نصیب پھر مجھے شرکتِ عیش کی کیا حاجت؟ میرے مطمئن وسادہ سکونِ خلوت کو ہنگامہ آرائیوں کی کیا جستجو؟"

"مجھے تو اک مرتبہ جب ایک فردِ صنفِ نازک نے دعوتِ ازدواج دی تھی تو میں نے یہ کہا تھا کہ جو لوگ اسیرِ ازدواج ہیں انہوں نے اپنی نادانی سے آپ کی نئی زندگی کی آرزوئے خام کی قربان گاہ پر اپنے آپ کو بھینٹ چڑھا دیا ہے۔ میں اس طلسمی کھیل کے کھیلنے سے معذور ہوں ——

"اس کے بعد تمہارا یہ ارشاد کہ "شادی تدریجی ارتقا ہے تمدن و تہذیب کا" یہ بھی تم ہی کو مبارک اور اس میں کوئی شک نہیں کہ تم نے اپنے اس خیال کو سوسائٹی کی اجتماعی عزتوں کے ساتے ہیں سرسبز ہونے کی توقع پر کہا ہے۔ ورنہ یہ خیال انسانی ظلم و استبداد کی اک قدیمی روداد ہے، جس کی تم

نے نہایت خوبصورت و خوشنما لفظوں میں نمائش کی ہے، شادی، انسانی غلامی کے احیا کی تاریخ ہے، کہ کس کس انداز و طریق سے کن کن حیلوں اور فریبوں سے عورت کو اسیر و پابند کیا ہے، وہ جب آزاد تھی تب بھی مرد کی حرص و آز کا شکار تھی۔ وہ جب سے تمہاری اسیر و پابند ہوئی، تمہاری خوئے ہوس رانی کا لقمہ ہے، میں تم سے پوچھتا ہوں تمدن کے نظام نے عورت کو چند قواعدِ رسمیہ کے ماتحت تمہارا بنا دیا مگر عملی صورت سے کیا تم خود بھی اسی شدتِ قید کے ساتھ اس کے ہو جاتے ہو، اور ایما ناً اگر ایسا نہیں ہے تو بتاؤ تم کو کیا حق حاصل ہے کہ تم دوسروں کو غلام بنائے رکھنے کی آرزو کرو۔ ہاں شادی اس معنی کر ضرور ارتقائے تمدن و تہذیب کا کہ اس سے افزائش نسلِ انسانی متعلق ہے۔ فنِ انساب وضع ہوا، اسماالرجال مدون ہوا۔ یا جب انسانوں کو تن ڈھانکنے کی ضرورت ہوئی اور پیر پھیلا کر سائے میں رات کاٹنے کی فکر ہوئی۔ تو صنعتِ پارچہ بافی کو فروغ ہوا، اور فنِ تعمیر کی ایجاد ہوئی۔ ضرورتیں بڑھنے لگیں مکر و فریب کو ترقی ہوئی۔ دنیا نے اپنی معصومیت کا نوحہ پڑھا۔ سادگی کا ماتم برپا ہوا، اس کی جگہ معصیت کی مجلسیں قائم ہوئیں اور تصنع اور بناوٹ نے دنیا میں چہل پہل کردی +

محمود! عورت شادی کے لئے نہیں، شاعری کے لئے ہے۔ دیکھو

آسکر وائلڈ کیا خوب کہتا ہے اُس سے محبت کرنا نہایت ہی شاعرانہ تخیل ہے
مگر تحریکِ مناکحت میں مطلق شعریت نہیں" لاریب کہ جس دلچسپی و تخییل
میں شگفتگی، بلندی اور شعریت نہیں ہے، میں نہیں جانتا دنیا میں اُس
کی وقعت کیسے قائم ہو سکتی ہے؟ ہاں تم نے یہ بھی کہا کہ شادی تصفیۂ
اخلاق کا بھی ذریعہ ہے۔ تمہارے اس خیال سے شاید تمہاری دنیا کے
علمائے نفسیات متفق ہو سکتے ہونگے، میرے احساس محض کی دنیا
آپ کے ساتھ اس بات میں اتفاق کر لینے سے عاجز و معذور ہے۔

تمہارے نزدیک شاید اخلاق کا تصفیہ، کسی شب عیش میں ہنگامی
دلولوں سے اپنے جوش کے بار کے سبکدوش عصمت ہو جانے سے عبارت
ہے تب تو آپ نے سچ کہا ہے ورنہ میرا خیال تو یہ ہے اپنا ماحول تنگ اس
خیال سے جب تک کوئی پاک نہ کرے گا اُس وقت تک اخلاق کا تصفیہ
اس سے کبھی ممکن نہیں!

حیف کہ آپ کے ہاں" شادی مردانہ زندگی کا حسن ہے"۔ مگر میرے
ہاں عورت سے اس نسبتِ مہمل کا پیدا ہی کرنا دائم اخلاقی کا منبع ہے۔ تمہارے
ہاں مردانہ عبودیت کا وقار، شادی ہے، ہاں ان لوگوں کے ہاں جو اپنی زندگی
و بہیمیت کے آگے غنچوں کی خلقتِ منفعلہ کا صرف سجدہ ہو جانا پسند
کریں ورنہ دنیا ابھی رشید سے خالی نہیں جس کے نزدیک حسنِ نسائیت

کی پرستش ہی عروج حیات صادقہ ہے، ہاں اس نوع کی پرستش، کہ خیال میں اُس کیلئے یکسوئی فراہم کرنا جس کے بعد شئے منصوّر کے سوا کچھ بھی باقی نہ رہے۔

شادی مرد کے لئے مصروفیت کی راہ ہے۔ آپ نے سچ کہا مگر محمود! مصروفیت کی نوعیت مبہم ہے۔ غالباً تمہاری منشا اس سے یہ ہے کہ عورت کی کفالت خرچ کی ذمہ داریوں کے احساس میں مرد انسان سے چوپایہ تک ترقی کرسکتا ہے! اِس حصے کو مصروفیت کے الگ کر کے میرا خیال یہ ہے کہ محبت جیسی شئے کبھی روپیہ سے حاصل نہیں کی جاسکتی۔ میری سمجھ میں آج تک یہ نہیں آیا کہ اک مرد۔ اک عورت آپس میں محبت سے مل جل کر رہتے ہیں مرد روپیہ کماتا ہے اس پر خرچ کرتا ہے اور عورت اُس کے روپیہ کو لیتی ہے اور اپنے آپ پر بھی خرچ کرتی ہے اور اُس کے معاوضہ میں اپنا ذخیرۂ حیات ۔اور اپنی محبت مرد کو دیتی ہے؟ محمود! یہ کیا فلسفہ ہے اتحاد کا؟۔ اس لین دین میں کیا محبت کی خرید وفروخت ہوا کرتی ہے۔ جاؤ، لاحول ولا قوۃ! مجھ سے اگر ایسے بیوپار کی خواہش رکھتے ہو تو میری متانت آپ کے جواب میں یکسر اک قہقہہ ہو جائے تو مجھے معذورِ ادب خیال فرمائیے!

عورت میرے واسطے وجہ مصروفیت ہو سکتی ہے۔ وہ اپنی تحسینِ خلقت کے لحاظ سے رنگینی۔ سادگی۔ اور معصومیّت کا مظہر ہے۔ اِس لئے ساری دنیا کے لئے وہ موجبِ دلچسپی ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اس کا جزوِ ادنیٰ

مصرف ہی شادی کا، اور اجمالِ اعلیٰ مبدا ہے پرستش کا۔ اول الذکر دنیا کی جوانیوں کا موضوعِ گفتگو ہے اور آخر الذکر صرف ادیبوں کا مشغلۂ شعری ——— !"

سب سے آخر محمود نمؔ نے غایت ہمدردی سے کہا ہے کہ تمہارا اضطراب اور یہ بے کار شباب، دونوں اک تسلّی چاہتے ہیں اور وہ صرف عورت کی آغوشِ مودت میں نصیب ہو سکتی ہے۔ تمہارے علوئے خیال پر اس وقت تو مجھے بھی پیار آگیا۔ مگر چونکہ تمہارے ہاں عورت اور نسائیت میں کوئی فرق نہیں ہے اور میرے ہاں عورت اک اور چیز ہے اور نسائیت اک اور چیز اس لئے تمہاری ہر وہ بات جو چاہے کسی قدر مفید ہو مگر ذرا سے اس امتیازی خط کو محسوس نہ کرنے کے باعث ہر بلندی سے محروم رہ جاتی ہے۔ ہاں میرا التہاب یہ بے کار شباب اگر حضور کے نزدیک اک عورت کی تسلّی کا جویا ہے تو پھٹکار اُس اضطراب پر لعنت اس شباب پر۔ آپ کے خیال کی عورت آپ کی دنیا کی جوانی کے لئے موجبِ مسرت ہو تو ہو۔ نہ میں تمہاری دنیا کا سا جوان اور نہ مجھے اُس عورت سے ربط جو آپ کے بزمِ خیال کی زینت ہے ——— !

اس قضیے سے علیحدہ ہو کر ہاں مجھے الفت ہے، اُس مظہرِ شعری سے جو پیکر ہے لطافت و نسائیت کا۔ جس کے تصوّر میں شعریت ہے۔ جس کے نظارہ میں مصوری ہے۔ جس کی گفتگو میں موسیقی ہے۔ جس کی خاموشی عنوان ہے دلویت کا، جس کی تمکینِ وقار لرزہ ہو الوہیت کا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ !"

سوزِ ہوگی

(۲)

بنارس کی اک شرمیلی اور مسکراتی ہوئی صبح ، رشید کے ہذیانِ ادبی کو شاید کبھی فراموش نہ کرے گی جب کہ اک مختصر سے قیامِ سحری کے لئے رودِ گنگا نے اپنے منظر کی تمام دلآویزیوں کو اس کے واسطے ہدیۂ لطیف و مسرت بنا دیا تھا!

فضائے بنارس کی عام دلکشی، صبح اور پھر آبِ گنگا کی وہ شوخیوں سے معمور، تبسّم ریز، روانی رشید کے لئے یوں ہی کیا کچھ کم جاذبِ ذوق و نظر تھی کہ منظر کی اور بعض معصوم حیثیتیں، اُس کی فطرت کی بے چینی، اُس کے جذبات کے ہیجان اور اُس کی روح کے فشار کے لئے اک نئی قیامت ثابت ہوئیں!!

بارہا دیکھا گیا ہے کہ وہ اک معمولی سی بات سے متاثر ہو گیا اور پھر پہروں اُسے اپنی خبر نہ رہی دیکھنے والے اندیشہ کرتے کہ یہ صورت تو اختلالِ حواس کی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ قدرت نے اس کو اک عجیب دل و دماغ عطا کیا ہے۔ جس میں ودیعتِ عام سے علیحدہ کچھ گداز و فکر کا جزو

غالب ہے!!

دنیا کی ہر چیز، کائنات کا ذرہ ذرہ اور ان سب کا علم و عرفان رشید کی قوتِ تخیل کا موضوعِ تجسس ہی وہ جس شے کا مطالعہ کرنا چاہتا ہے اس قدر قریب سے اس درجہ عمیق نظر سے کہ جہاں عام نظر و فکر پہنچ ہی نہیں سکتی۔ کوئی چیز سامنے آگئی اُس نے دیکھا۔ دیکھتا رہا، بس دیکھتا رہ گیا، اب ایسا معلوم ہونے لگا کہ شاید یہ صرف دیکھنے ہی کیلئے پیدا ہوا ہے۔ کسی نے کوئی بات کہی اُس نے سنا، سنا اور سوچ میں پڑ گیا اب معلوم ہوا کہ دنیا میں یہ فقط سوچنے ہی کے واسطے آیا ہے۔ پھر ان ہی عنوانات پر اگر کبھی اس کی زبان کھل گئی تو اپنے وظائفِ روحی کو کچھ اِس انداز سے حوالۂ تکلم کرتا ہے کہ جذبات کا کیف اور اظہار کا تاثر یہ معلوم ہوتا ہے کہ روح کی انتہائی گہرائیوں میں ڈوب کر رہے گا +

منظر شاہد ہے کہ رشید ساحلِ گنگا کے نوادرِ منظر کو اپنی روح کے انہماکِ کامل کے ساتھ دیکھ رہا اور لطف اٹھا رہا تھا کہ دفعتہً اُس کی نظر کسی اِک طرف گئی، گئی اور جم کر رہ گئی اور منہ سے صرف یہ نکلا "منظر دیکھتے ہو قدرت کی نازک ترین شاعری کے ساتھ کس نوع کا تمسخر و اعراض"؟

میں نے دیکھا چند عورتیں ہیں کہ جن کی ساڑھی سادی ہے اور سیاہ اور کسی قدر گاڑھی، جن کی ادائیں غم میں ڈوبی ہوئی ہیں اور مضمحل، اور جن کے سر پہ بال تو شاید قطعاً نہ تھے اپنا فریضۂ پرستش ادا کرنے کے لئے

گنگا جی کے کسی گھاٹ پر جا رہی تھیں، ایسی عورتوں کی، ایسی نوعمر لڑکیوں کی ایسے مقامات پر کثرت ہے، جو اپنے سہاگ کو لٹا چکی ہیں اور اب اپنی زندگی کے باقی حصّے کو ان تیرتھ گاہوں کے کسی ایک مقدس معبد کے اک سادے سے گوشے میں گذار رہی ہیں، چونکہ ہندوؤں میں عقد بیوگاں کا رواج نہیں ہے۔ اس لئے اُن کی زندگیاں اب سوائے اس نوع کے مصروف عبادت و رہبانیت کے اور کوئی پہلو اپنی موجودہ حیات میں ایسا خوشگوار نہیں رکھتیں جس کو کسی دوسرے طریق پر گزارا جا سکے!!

رشید کی طبیعت، رشید کے لطیف ذوق سے یہی متوقع تھا، جیسا اثر اس پر اس منظر سے ہوا، وہ یک لخت بیتابِ جذبات ہو گیا۔ اُس کی بے تابی و بے اختیاری بھی اپنی نوعیت میں اک خاص معصومیت کو لئے ہوئے ہوتی تھی۔ چہرہ پر اک اضمحلال طاری ہوا۔ آنکھوں میں غم کی اک لہر دوڑی۔ ہونٹ ذرا ہلے۔ عام حالت میں اک ذرا کھویا کھویا پن پیدا ہوا اور اُس نے دل پر ہاتھ رکھا اور اک طرف بیٹھ گیا۔ یہ تھا اُس کا بیتابِ جذبات ہو جانا!!

اس کو عزیز رکھنے والے احباب اُس کی حالت کے ان آثار و علامات سے اس درجہ واقف ہو گئے تھے کہ تغیّر کیفیات کو اُس کے چہرہ کے خاص لون، اُس کی اداؤں کی خاص تہذیب سے معلوم کر لیتے تھے۔ لبسا اوقات چہرے کی خفیف سی زردی سے مظہر لے اُس کے مبتلائے غم ہونے

کا حکم لگا دیا ہے ہر چند کہ خارج میں کوئی کاوش کی صورت بھی نہ تھی۔ بارہا اُسی قسم کی شکل سے نتائجِ مسرت مستنبط کئے ہیں اگرچہ حالات اس سے مختلف ہوتے تھے اُس کا ملال اُس کی مسرت، اصل یہ ہے کہ کیف وکم سے تو سروکار رکھتے نہ تھے اُس کی زندگی تو یکسر تخیل تھی، کبھی شدتِ افکار سے تھک گیا، مضمحل ہو گیا، کبھی خیال آرائیوں نے وسعت عطا کر دی بشاش ہو گیا۔ آہ، بوئے گل کی اور شبنم کی زندگی ہی کیا!!

مظہر بنارس کی سیر و سیاحت میں رشید کا رفیقِ سفر تھا وہ بیان کرتا ہے کہ میں نے بہت کم رشید میں اس نوع کا گداز و کیف دیکھا ہے جو بنارس کے قیام میں مَیں نے اُس میں دیکھا۔ اُس نے کہا مظہر! بتاؤ کون سا ظلم ہے جو تمہاری صنف نے اس نازک جنس پر روا نہ رکھا ہو۔

"ابھی یہ سات آٹھ ہی برس کی تھی کہ مرد کی جنس نے اس کو اسیرِ ازدواج کر دیا اور عمر کا یہ وہ حصہ ہے جس میں اس صنف کا کوئی فرد بھی اس بات سے واقف نہیں ہوتا کہ ازدواج کی رسم میں لطف ہے کس نوع کا، شادی بیاہ اک ہنگامے سے عبارت ہے بچوں نے دیکھا اور ہنس دیئے؛ اتفاقات نے جب یہ روح فرسا صورت پیدا کی کہ فردِ اعلیٰ اس دنیا سے کوچ کر گیا تو اب لڑکی کی عمر تیرہ چودہ سال کی ہے بتاؤ وہ ہنسے کہ روئے وہ ماتم کرے کہ آزادی پر مسرور ہو۔ لاریب کہ وہ اک قیامت ہے کہ دو زمانوں کو محیط ہے۔

"آہ! اب لڑکی حقیقتِ ازدواجی سے واقف ہے اُس کی زندگی کی شعریت اب عنفوانِ شباب پر ہے اور اُس کے شبابِ فتنہ آرزو کی تمام تحریکیں اب جوان ہیں۔

"عورت اپنا بہترین ذخیرۂ حیات مرد کو دیتی ہے لیکن اس کے
بدلے میں ویسی ہی جنسِ گراں مایہ اس سے چاہتی ہے
(آسکر وائیلڈ)

"جانتے ہو وہ کیا چیز ہے۔ وہ دل ہے۔ وہ وفائے جنسی ہے وہ شرافت عہد ہے وہ حسن مبادلہ ہے۔

"مگر آہ! یہ جوان بیوہ یہ معصوم دوشیزہ۔ اُس کو جنسِ کرخت کے اولین عہدِ الفت میں مجروح ہو جانا نصیب ہوا اُس نے اس جنس بے وفا کو اپنا ذخیرۂ حیات دے دیا تھا اُس نے اپنی زندگی کا حسن اس صنف کے ظالم چہرہ کا وقار بنایا تھا لیکن افسوس لڑکی کی عمر کا پہلا دور بھی کامل نہ گزرا تھا کہ وہ اپنے لطفِ طفلی کے لئے سوگوار ہے اور اپنے شباب کی ماتم داری کے لئے وقف ہے وہ صنفِ قوی کے دوسرے افراد کی نگاہوں میں اب اک بے آب موتی ہے اک محرف حرفِ وفا ہے اور اک منسوخ عنوان ہے!!

"مظہر بتا تو خدارا مجھے سمجھا تو اس جوان بیوہ، اس مرقدِ شعر کی حیاتِ دوشیزگی کی توہین کیوں روا رکھی جاتی ہے؟ اس کی کیا چیز گم ہو گئی، اس نے

کون سی شئے بدل گئی۔ آہ خود پرستو! جب تک مرد زندہ ہے عورت کا فطری لوچ، سمٹاؤ و حیاداری سے عبارت ہے؟ جب تک عورت خاوندوالی ہے اُس کے حسن کی کرشمہ آفرینیاں زندہ ہیں؟ جب تک عورت کو اقتدارِ شوہری نصیب ہے، اُس کا وقارِ نسوانی تسلیم کیا جاتا ہے؟ مگر جب اس کا سہاگ لٹ گیا تو تمام نازک اور حسین ادائیں ایک مذموم پختگی سے بدل جاتی ہیں؟ وہی حیا وہی شوخ باحجابی جس سے اسی جنسِ قوی کے اک فرد کو معراج افتادگی نصیب تھی اب دنیا کے لئے وہ اک مایوسی ہے کہ مکمل۔ اک احتراز ہے کہ منکسر۔ وہ اپنی آنکھوں کے خوبصورت جھکاؤ میں اپنے تمام فتنہ ہائے حسین دفن کئے رہے تو عافیت!؟

"جب تک خاوند موجود تھا عورت کا سر گھمنڈ سے بلند تھا اور اُس کا تاجِ حسن ذرا کج۔ مگر حیف وہ نہ رہا تو سر خاک آلود ہو گیا اور جمالِ صورت کی کوئی آن اب دنیا کے لئے موثر نہ رہی۔ جب تک شوہر زندہ تھا گھر کی چار دیواری میں نسوانی وقار کی ملکہ کی حکمرانی تھی مگر حیف اُس کے نہ ہوتے اب اس شکست خوردہ رانی کے حال کا کوئی پرساں نہیں بلکہ ہم سن بچ کر چلتے ہیں کہیں اس کا منحوس سایہ ہم پر نہ پڑ جائے۔ اقتدار سرنگوں ہے وقار برباد ہے۔ نسائیت اور حسنِ نسوانی پامال ہے، جوان بیوہ کی غریب جوانی کیا ہے لٹے ہوئے قافلہ کا نشان بربادی ہے مظہر! پوچھو اپنے ہم جنسوں سے پوچھو

یہ کیا چھوت چھات ہے اور تمہاری اس رسم احتراز میں اک خوئے خراب کی پرورش نہیں تو پھر آخر اس سے مقصود کیا ہے؟

"ہائے صنفِ نازک کا شباب بھی تمہارے اقتدار کا شکار ہوا اور اس کی رہی سہی حیات کے باقی ایام اور اُن کی لذتیں بھی تم ہی نے برباد کیں۔

"عورت نے اولین طلب پر تم کو اپنا سب کچھ دے دیا اور پھر تم نے بدعہدی کی اور رواج میں اک مکروہ شکل کو داخل کیا، "زن بیوہ مکن اگرچہ حور است" کہہ کر ادبیات میں اپنے خیال کو یادگار بنا دیا۔ کس لئے؟ اس لئے کہ بیوہ اک افسانے کی مدح خواں ہو چکی۔ بیوہ نے اپنی زندگی کی کچھ راتیں راحت سے گذار لی ہیں۔ اس لئے کہ بیوہ اپنے شباب کے لطفِ اول کو مرد کے عہدِ وفا پر تصدق کر چکی ہے؟!

"ہاں اب وہ اس قابل کہاں کہ کوئی مرد اس کو اپنے اضافۂ محبت کا امانت دار قرار دے کسی مرد کی جوانی اور اُس کی راتیں اس بات کو کیونکر جائز رکھیں کہ وہ کسی ایسی غم نصیب کو شریکِ لطف کر لیں جس کی راتیں آج سے قبل مصروف شباب گزر چکی ہیں۔ ہاں مرد کی عصبیت کو ٹھیس لگتی ہے، مردانہ رحم و گدازگی یہ خو کیوں ہو جائے کہ کسی ایسی عورت کو اپنی زیست کی معیّت کے لئے منتخب کر لے جس کی شعریت نظم کی اک فرد موضوعی سے جدا اک دوسری بیت کی طرح ڈالنے پر آمادہ ہو!!

بتاؤ غارت گر کون ہے؟ کس کے گریبانِ تنگ معصومیت ہاتھ دراز

کرے، لڑکی اور اُس کی متاعِ عزّت کس درجہ بدعہدی کے ساتھ خریدی گئی، حسنِ سلوک کا یقین دلا کر اُس سے کس درجہ سنگین فریب کیا گیا، اس کو کیسا بے وقعت سمجھا گیا اُس کا سودا کیسی کم قیمت پر لے لیا گیا۔ پھر معمولی سی ادائے قیمتِ عہد پر اُس سے کیسی بدعہدی کی گئی کس طرح یکسر تمام صنف نے اُس کی دادخواہانہ التجاؤں پر اپنے کانوں پر ہاتھ دھر لئے۔ مردوں میں سے کسی نے اپنی زندگی، اپنی زندگی کی خوشنمائیوں، اپنی زندگی کی لطف فرمائیوں کو اپنے بھائی کے ناموسِ شرافت کے حضور میں پیش نہ کیا۔؟!

لڑکی کا حسنِ زندگی اُس کا ذخیرۂ حیات جب لٹ چکا تو مردوں نے مل کر اُس کو دیوالیہ قرار دے دیا، اُس کو بے مایہ رسوا کر دیا۔ آہ خسران نصیب لڑکی! ذی اقتدارِ شباب ہونے کے باوصف سائلانہ اندازِ استرحام کی مظہرِ جمیل ہے، اُس کی معصومیت سے، اُس کی سادی سی جوانی سے، اُس کے بھولے بھالے شباب سے ساری دنیا نے مل کر تمسخر و استہزا کیا ہے اور اب تمہاری بھری بزم میں وہ اک ایسی خوئے مضحک کی حریف ہے، جس کو ساری محفل سمجھ رہی ہے مگر وہ غریب نہیں جانتی کہ مجھ سے یہ کس نوع کا مذاق کیا جا رہا ہے لڑکی کی سادگی سے جس قسم کا فریب چلا گیا اُسکو نہیں معلوم یہ اُس کے حق میں کس قدر نقصان رساں ہے اور طویل مصیبتوں کا پیش خیمہ ہے۔

رشید نے کہا میرا خیال ہے شاید دنیا میں اک دن یہ انقلاب ہو کر رہے گا

کہ عورت سے جب مرد لطف، مسرت، امن اور طمانیت و آسودگی کی بھیک مانگے گا۔ اور آج کی طرح روئے گا۔ بسورے گا۔ اور فریاد و الحاح کی ایک قیامتِ صغریٰ برپا کرے گا تو اُس زمانہ میں آج کی طرح عورت، ایسی بیوقوف، ایسی نادان نرم دل اور زود عنایت نہ ہوگی، بلکہ وہ ذی فہم، ہوشیار، ضابطہ اور معاملہ دان ہوگی۔ وہ مرد کی صداقت کو پرکھے گی۔ اُس کے دل کا گداز ٹٹولے گی، اُس کی آنکھوں کے پانی کا کھاری پن چکھے گی، اور اُس کے اضطراب محبت کی سچائیوں کا جائزہ لے گی، جب کہیں بعد آزمائش و امتحان وہ اپنی محبت مرحمت کرے گی، اپنا دل عطا فرمائے گی۔

اور ہدیۂ الفت کی عطا کے ساتھ اک شرط یہ بھی ہوگی کہ مرد کی جنس یہ بھی عہد کرے کہ وہ عورت سے پہلے اس عالم سے رخصت نہ ہوگا۔ یا یہ کہ مرنے سے پہلے اپنی جنس کے تمام افراد میں اک سمجھوتہ کرائے کہ آج سے یہ رواج منسوخ ہے کہ کوئی عورت بیوہ کہی جائے جس طرح نسائیت ہمیشہ زندہ ہے، اور جب تک وہ جزو ہے کسی حیاتِ لطیف کا اُس وقت تک اُس کی پرستش اور اُس کے حسنِ لطف کا احیا بھی ضروری ہوگا! وہ کبھی حسین و جمیل ہونے کے ساتھ، معابد کے تاریک و تنہا گوشوں میں تمثیلِ تلخئ رہبانیت نہ بنے گی۔ اُس کے خصوصیاتِ جمال سے کبھی تمسخر نہ کیا جائے گا۔ اُس کے سر کے سیاہ عنبریں بال استرے سے اس طرح نہ مونڈے جائیں گے جو عمامہ نمائش مقدس سر کا نشانِ امتیازی ہے،

اس پر رنگ کو اور ریشم کو حرام نہ کیا جائے گا۔ وہ باغوں اور تماشوں سے خارج نہ کی جائے گی۔ وہ تہواروں اور شادی بیاہ کی عام رسومات میں بدشگونی کا عنوان نہ سمجھی جائے گی۔ وہ جوان لڑکیوں میں سہاگ محروم نہ کہی جائے گی۔ اور گھروں کی چاردیواریوں میں اُس سے ایسا ہی برتاؤ ہوگا جو اور جوان لڑکیوں سے ہوتا ہے اُس کو بھی صبح و شام سنگھار کی اجازت ہوگی۔ اس کو بھی پاکیزہ لباس اور خوشبو کے استعمال کا حق حاصل ہوگا۔ نیل پھلیل سے اُس کو ممانعت نہ ہوگی ہنسنے بولنے پر اُس کو مطعون نہ کیا جائے گا۔ برسات میں جھولا وہ بھی جھولے گی، ہمجولیوں میں سہاگ کے ترانے اور پی کہاں کے راگ وہ بھی گا سکے گی کبھی کوئی مرد اُس کے حضور کوئی ایسا جملہ نہ کہہ سکے گا جس سے اُسکی شعریت متألم ہو، اُس کی موسیقیت زخمی ہو جائے، اور اُس کے وقار ضمیت کو صدمہ پہنچے!!"

"اے ارضِ فارس! کاش آج وہ وقت آجاتے اور میں باوصف اس کے کہ رسمِ ازدواج سے متنفر ہوں مگر پھر میں اس بیوہ دوشیزگی کے اضمحلال روحی کو اک مرتبہ فراغت و مسرت سے بدل دینے کی کوشش کروں، دنیا میں خوب رو، نرم دل، وفا شعار مرد تلاش کروں اور اُن کی آغوش اس بیوگی کی نعمت سے بھر دوں، اس لئے کہ زمین کا سنگھار غارت ہو رہا ہے۔ انسانی حیات کی راحت برباد ہو رہی ہے۔ نظامِ تمدن کی تمام برکتیں اور حسنِ مدنیت کی تمام

پامال ہو رہی ہیں۔ نہ آئے وہ وقت کہ شیرازۂ امنِ عالم بکھر جائے۔

کون رد کر سکتا ہے کہ اک حسین لڑکی، اک جمیل ترین اقتدار نسوانی کسی مرد کو منتخب کرے اور زمین کا گوشہ گوشہ اپنے اندر کوئی زینت نہ محسوس کرے؟ کون ہے جو اس کے خلاف کہہ سکتا ہے کہ مرد اپنی مطمئن راحتوں کو عمر بھر ڈھونڈا کرے مگر اس کی تلاش بے سود و بے کار ہے اگر اس نے کسی عورت کی محبت پاش نگاہ حاصل نہ کی۔ کس میں بوتا ہے جو اس کی مخالفت میں آواز اٹھائے کہ اک طرف مرد عالمِ النسائیت کے ممتاز ترین افراد کو یونہی داغِ بیوگی دیتے رہیں اور الگ کرتے رہیں اور دوسری طرف بیوگی اور بیوگی سے احتراز کی رسم یوں پھیلتی رہے، تو ایک دن اچھوتے خیال و مناظر کا پھر کال نہ ہو جائے گا اور نسائیت معہ اپنے گداز و تاثر کے غارت نہ ہو رہے گی۔ پھر کیا ہوگا یا صنفِ کرخت کو حقیقی نسائیت سے محروم جینا پڑے گا اور دنیا میں بیوگی کے سوا کچھ ڈھونڈے نہ ملے گا، یا بیوگی مستقل نمائشِ بیچارگی میں ایک غلو اختیار کرے گی، اور اس کی جانب سے صنفِ کرخت کی سرزنش یہ ہوگی کہ وہ اپنی دوشیزگی کو بھی بیوگی میں مدغم کرے گی اور پھر دنیا کے حسنِ فطرت اور اس کی محرومی کا دیکھنے والا بھی نہ ملے گا!!"

حالات کے یہ انقلاب اور اس کے اثرات ابھی سے رونما ہیں، دنیا آہستہ آہستہ رنج بیوگی ظاہر کر رہی ہے اور عورت کی دنیا کے احساسات تو ہمارے

اس دعوے کے بدرجۂ اتم دلیل ہیں۔ عورتوں میں اب مرد بدنام ہے اور اُس کی محبت کی تذلیل و تحقیر ہو چکی ہے۔ مرد کی مخالفت کا یہ جذبہ بتدریج ترقی و تقویت پا رہا ہے صنفِ نازک کی دنیا میں اس کا عام چرچا ہے کہ مرد اب دن بدن بد عہد، غاصب اور بے وفا ہوتے جا رہے ہیں، لہٰذا کوئی عورت اب اپنے دل کے راز، اپنی آنکھ کے آنسو، اپنی دل کی دھڑک کا حال کسی مرد کو نہ سنائے، نہ دکھائے۔ عورت کا اشتراک، اس جنس سے قدرت نے لازمی قرار دے دیا ہے۔ تاہم تجویز ہے کہ قدرت کے حضور اک زبردست احتجاج پیش کیا جائے اور اُس کی عملی صورت یہ ہے کہ عورت ناکتخدائی کا عہد کرے گی اور اس خیال کو نہایت اہتمام سے عورت کی دنیا میں مقبول بنایا جائے گا! اور اس تحریکِ احترازِ مناکحت کو بے حد کامیابی ہو رہی ہے کہا جاتا ہے جوں جوں تعلیم عام ہو گی اس خیال کو تقویت ہوتی جائے گی۔

مشورہ کیا جا رہا ہے کہ عورت اپنے اعمالِ ازدواجی سے صداقتِ قلب کو علیحدہ کر دے اور اک نئی سیاست عمل کی اس لطیف فردِ نازک کے ذوق میں شامل کی جا رہی ہے، اب راتوں کا جاگنا اور کسی کے لئے بے قرار رہنا موقوف، شوہر اگر سفر میں ہے تو اپنی ضروریاتِ عیش ترک کر دینے کی ضرورت نہیں، اپنے لباس کی زینت اور تزئین کو موقوف کر دینا فضول۔ پتی اگر بیمار ہے تو اُس کو اپنی روح کے مضمحل کر لینے کی حاجت نہیں، اور اس کے وظائفِ

تعشق کا عنوان ازدواج ترمیم کیا جارہا ہے۔ کہا جارہا ہے عورت کی جانب
سے اس درجہ فدویتِ عشق کے اظہار و عمل کی ضرورت نہیں ہے، ہر چند
کہ ستی ہو جانے کا ولولہ بھی اک مجبور عشق زندگی کی ماجراطراز روش ہے، اس
کے سامنے بیوی کے سوز بیوگی کی مصیبت تھی۔ وہ جوانی کی نامرادیاں برداشت
نہ کر سکی اور سہاگ کے ساتھ، بیوگی کے سوگ کو لے کر پتی کی چتا پر اپنے
آپ کو قربان کر دیتی تھی۔ اور اگرچہ اس تحریک کو اب کوئی ترقی نہیں مگر پھر بھی
سننے میں آجاتا ہے اس لئے اب اس سے قطعاً محترز رہنا چاہتے ذی
احساس عورتوں کا خیال ہے کہ مرد شادی کو ایک بیوپار سمجھنے لگے ہیں، نان
ونفقہ کی ذمہ داریاں قبول کیں اور شادی کرلی پاکئ نفس کا وہ عہد نہیں کرتے
ورنہ فحش مقامات شہروں کے اجاڑ نظر آتے، اُن کی دل لگی و دلچسپی کے
سامان سب موجود و مرتب ہیں پھر کوئی وجہ نہیں اک عملی ایثار درد کی عالمگیر
تحریک نہ کی جائے اور مردوں سے اُن کی آمدنی کے اک حصہ کا ہی مطالبہ
نہ کیا جائے بلکہ اُن سے دل مانگا جائے اور جب تک وہ عزت ازدواج کی رو
نمائی دل نہ قرار دیں گے اُس وقت تک ہمارا فیصلہ یہی رہے گا کہ ہم کبھی نرمی
ملاطفت اور محبت نہ برتیں گے،

ہم اپنی نسائیت کے حقوق کی خاطر نہ صرف اپنی شعریت کو، اپنی شگفتگی
کو برباد کر دیں گے بلکہ اپنے سوزِ دلی کی لپیٹ میں دنیائے رجالیت کے بے مہر

استبدادی بتوں کو بھی خاکستر کردیں گے،، رشید نے کہا "عذرا احساس کی ضرورت ہے خوب سمجھ رکھو۔ مظہر اس کشمکش احتراز و محبت کا انجام برا ہے، دنیا اپنے تمام روپ کو جب کھو دے گی تو بتاؤ کائنات میں پھر کونسی رنگینی لاؤ گے؟ جس سے الفت و اتحاد کے چہرے منور و روشن ہونگے۔ ورنہ میں تو یہی کہوں گا توازنِ عمل دنیا ابھی پیش نہیں کرسکتی تم بھی مظہر! خلاصۃً یہی کہہ دو کہ اب سے کوئی بیوہ ہی نہ ہو۔ رشید کے عقائد ادبی کی پیروی ہونا چاہیئے جہاں رسمِ مناکحت و ازدواج کی پابندیاں نہیں ہیں ہاں ذرا نفس کے علو اور خیال کے ارتقا کی ضرورت ہے۔

اس مسرتِ دوروزہ سے جس کو لطفِ ازدواج کہتے ہیں بہتر تو یہی ہے کہ انسان اپنے نفس کے کام و دہن کو اس لذت سے آگاہ ہی نہ کرے۔ ورنہ پھر یہ تو غیر ممکن ہے کہ کوئی کبھی اس دنیا سے نہ سدھارے گا۔

جنسِ قوی اگر طمانیت سے محروم ہوئی تو اور صنفِ نازک اگر توثیقِ ودیعت سے محروم ہوئی تو بہر نوع دونوں کے لئے یہ اک داغ ہے مفارقت کا۔ جس کا اثر رقیق القلب اور ذکی الحس انسان پر مدۃ العمر رہتا ہے!"

نسائیت و شعریت

مظہر، رشید کا ایک ایسا مزاج داں اور ادا شناس دوست ہے کہ قدرت بہت کم خوش نصیبوں کو ایسے دوست عطا کرتی ہے۔ ہتین ہے شائستہ ہے ظریف بھی، اسی کو اس بات کا جملہ احباب میں فخر حاصل ہے کہ رشید اس درجہ وحشت و رمیدگی کے باوصف اکثر اور گھنٹوں، اس کے پاس بیٹھا رہتا ہے اس کے مزاج میں اگر کچھ درخور حاصل ہے تو مظہر ہی کو، اگر کسی کو اس کی طبیعت کے اداب سے واقفیت کا دعوٰی ہے تو مظہر ہی کو ـــ پچھلے دنوں میں ایک مرتبہ رشید کو پھر چپ لگی، احباب پر رشید کی خموشی کی طوالت اور شدت بے حد شاق گزر رہی تھی مگر تدبیر کسی سے کچھ بن نہ پڑتی تھی، آخر مظہر ہی مجبور رسائل سعی کیا گیا اور وہ کامیاب ہؤا

ان ہی دنوں میں سے ایک دن، ابھی رشید مغموم و دل ریش کہیں سے آیا اور ابھی آکے بیٹھا ہی تھا کہ مظہر نے کہا "رشید! افسوس کیجئے مجھے میرے بزرگوں سے نوید ازدواج ملی ہے، میں جانتا ہوں اس خبر سے تمہیں الم ہی ہوگا مگر شاید تمہارے ملال میں یہ سن کر کچھ کمی واقع ہو کہ صنف لطیف و نازک کے

جس فردکو میری مسرت کی شرکت کے لئے منتخب کیا ہے وہ یکسر حسن اور مجسمۂ نسائیت ہے، مجھے تمہارے اتباعِ تجرد کے ترکِ عمل سے شرمندگی ہوگی، اگرچہ اختلاف نہیں مگر کیا کروں اعزا کے حکم سے انحراف کی مجھے قطعاً جرأت نہیں ہوتی، رشید بتاؤ کیا کروں ——"

ہم سب نے دیکھا رشید بے تاب ہو گیا، اُس نے پہلے حیرت سے منظر کو دیکھا اور پھر نہایت مایوسی کے ساتھ بولا —— "ہائے کیسا عبرت خیز زمانہ آگیا کہ نسائیت اور عصمت دنیا پر وبال ہوگئی، معلوم ایسا ہوتا ہے کہ حُسنِ نسائیت، اور جمالِ دوشیزگی، اپنی مثال فردوس کے گوشوں میں تلاش کرے، دنیا اب شاید اس نوع کی تہذیب و تحسین کے جواب سے عاجز ہو جائے گی۔ منظر، تمہاری شادی کی جاتی ہے اور کہتے ہو اک عفیفہ تمہارے لطفِ ازدواجی کے لئے منتخب کی جاچکی —— میں نے تم کو پیکرِ وقار تعقل سمجھا تھا، سنایا جاتا ہے لڑکی بھی مجسمۂ جمالِ نسائیت ہے، مگر حیف کہ نہ تم سے نسائیت کا احیا ممکن ہُوا، اور نہ لڑکی سے ایثارِ شباب و دوشیزگی بن پڑا، تم خیال کی لذت سے مغلوب اور وہ ذکی الحس ہونے پر بھی خاموش، ہائے کیا غضب ہے ——"

ایک حور آسمان سے بکمالِ رعنائی، زمین پر اتری اور اس مادیت آبادِ ارضی سے ذرا اونچے ہی اونچے معلق ہو کر رہ گئی، اُس کا نام اس عالم میں نسائیت ہُوا

تھا، اور یہ شئے عام سطحِ عورت سے اک بلند تر چیز تھی، لیکن اب دیکھا جا رہا ہے کہ شاید حسنِ نسائیت اس دنیا سے رخصت ہو جائے گا اس لئے کہ اس کے پرستار اُس سے نہایت بے اعتنائی کے ساتھ افسوس کہ منہ موڑنے لگے!"

جمالِ عصمت و دوشیزگی جو استعمالِ غیر سے بیگانہ و اجنبی ہے اپنی طہارت عزیز و لفریبیوں کے ساتھ اس عالمِ ویران کی زینت ہوا تھا مگر حیف کہ اب عنان گیر لذت ہو رہا ہے، اس لئے کہ دنیا میں رندگی و بہیمیت کا دور دورہ ہے ——"

مظہر! اس نوع کی پامالیٔ نکہت سے تمہارے ذوق کی جراحت کا سامان فراہم ہوگا، اور یاد رکھو عمل کی اس لغزش سے تم اپنی روح کی شگفتگی کو گنوا بیٹھو گے اور پھر ساری عمر تلاش کرو گے مگر یہ شئے میسّر نہ آئے گی!

آج وہ غریب لڑکی، اپنے حسنِ لطافت اور وقار صنمیت کو ضائع کر رہی ہے مگر زندگی کے آنے والے دور میں جب وہ امن و شاہزادگی کو اپنے ساتھ نہ دیکھے گی تو محسوس کرے گی کہ اُس نے کیا چیز کھو دی ——!"

مظہر نے دیکھا کہ رشید اب محوِ جذبات و تقریر ہو گیا اور ذوقِ گویائی اُس کی ہر ادا سے ظاہر ہونے لگا تو اُس نے عمداً ایسے عنوان کی جانب رشید کو دعوتِ تکلم دی جو اُس کے جاذبیتِ ذوق کا اور لطفِ سخن سرائی کا واحد ذریعہ ہے

مظہر نے کہا، رشید! ہماری نادانیوں پہ دل نہ دکھا تیے، اگر ہم آپ سے

کچھ دریافت کریں تو ہمارے استفسارات کے جواب میں اک خندہ مضحک نہ ہو جائیں، ہم بے وقوف سہی اور سب کچھ، مگر اصولاً آپ اپنی تقریر کے وضوح پر مجبور ہیں، معاف فرمائیں اگر ہم آپ سے یہ کہیں کہ ابھی ہم نسائیت اور عورت کے اس خاص فرق و امتیاز کو نہیں سمجھے جو جناب کے وظائفِ ادبی کا اک جزوِ غیر منفک ہے، صورت یہ ہے کہ کسی سنگین ستون، کسی قامتِ چوبیں کو اک زنگین، ریشمی ساڑھی باندھ دیکھیے آپ بے تاب جذبات ہو جائیں گے اور فوراً آپ کی ادبیت کی سرکار سے پیکرِ نسائیت کا پاکیزہ خطاب عطا ہو جائے گا ——"

موسم برشگال ہے، گھنگھور گھٹائیں ہیں، میں نے بارہا دیکھا ہے، سنا ہے کہ آپ کسی سبزہ زار سے گزرتے ہیں، آپ نے قدرت کی عجوبہ ترین مخلوق تیتریاں اڑتی ہوئی دیکھیں، اور آپ پر قیامت چھا گئی، مست ہیں، پُرکیف ہیں اور بقولِ خود۔ رقصِ نسائیت دیکھ رہے ہیں!"

آپ شملے جا رہے ہیں اور میں معیّتِ سفر سے مشرف ہوں، اب جناب کالکا سے جو کھڑکی سے منہ باہر نکال کر بیٹھے تو چھ ساڑھے چھ گھنٹے کامل بیت گئے نہ کچھ منہ سے بولتے ہیں اور نہ مجھے دیکھتے ہیں، بات کیا نکلی کہ گاڑی جب گھوم کر مڑتی ہے، جب قینچی سے آ کر کٹتی ہے تو حضور کو رفتار کا یہ انداز بہت لطف دے رہا تھا، قہرمانِ دخانی کی یہ موجِ خرام، جناب کے خیال میں آتشیں

پھول کتر رہی تھی، پوچھا کیوں صاحب! کیا اس میں بھی نسائیت کا دخل ہے تو ارشاد ہوا ہاں اس میں تو نسائیت کا بہت ہی دخل ہے!"

سیکنڈ کلاس کمپارٹمنٹ کے دروازے میں کوئی یورپین لڑکی اپنے دونوں ہاتھوں سے دروازے کے بالائی حصے کو اک لاابالیانہ انداز سے تھامے کھڑی ہے، حضور ہیں کہ اِدھر اُدھر اس کے یوں ہی سگرٹ جلاتے اور دھواں اڑاتے پھر رہے ہیں، پوچھا جاتا ہے تو ارشاد ہوتا ہے دیکھو یہ ہے استغنائے نسائیت —— !"

مصوری میں شملے میں کوئی لیڈی رائڈنگ ڈریس میں گھوڑے پر سوار ہے اور گھوڑا تیز رفتار سے پہاڑ کے نشیب و فراز کو طے کر رہا ہو اور اس کی نسوانی ساخت کے اقتضا سے سوار کے جسم نازک میں کچھ لوچ اور لہر پیدا ہو رہی ہو، جناب ہیں کہ مٹ رہے ہیں کبھی وقارِ رواں کہتے ہیں کبھی رعنا شعاع کہتے ہیں، کبھی جنبشِ شاخسار فرماتے ہیں اور کبھی ترنم موج، آخر یہ نسائیت ہے کیا بلا تیے بے درمان؟

میرے خیال میں تو رشید تمہارے التفات نظر اور انجذاب ذوق کا کوئی خاص معیار نہیں ہے کبھی تو نسائیت اور عورت بالکل مترادف المعنیٰ بتاتے ہو اور کبھی اس کا علو ہمسر ملکوتیت ہے، کبھی اس کو سراپا اک لذت قرار دے دیتے ہو اور کبھی یکسر نکہت گل، کبھی تو ایسا معلوم ہوتا ہے

کہ آپ مرد کی آغوش میں اُس کے لیئے ایک گدگدی پیدا کرنا چاہتے ہیں اور کبھی یہ محسوس ہوتا ہے کہ نہیں جنس کرخت کی پیشانیوں کو اُس کے حضور صرف سجدہ ہو جانے کی تعلیم ہے ——"

میں پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا کبھی اس عالم میں نسائیت اور عورت کا امتزاجِ خمیر ہُوا ہے —— ؟ اور اگر ہُوا ہے تو کیا وہ برکت ازدواجی سے محروم رہی ہے ؟"

ایسی نسائیت جس کو درجۂ ملکوتیت تک آپ سراہتے ہیں اور جس کی پرستش، ہر پرستش کی تحریک و تبلیغ آپ نے اپنی زندگی کا نصب العین قرار دے رکھا ہے، کیا بتا سکتے ہیں کہ آپ کی یہ سعی، فطرۃِ صالحہ کے خلاف نہیں ہے، اور اُس سے منشائے تخلیقِ نسوانی کی توہین تو نہیں ہوتی ——"

ایسی عورت جس میں نسائیت کا عنصر غالب ہو آپ کیوں اس کے واسطے مسرتِ ازدواج جائز نہیں رکھتے۔ حالانکہ اک نسائیت سے معمور منظر لطافت، عورت آپ کے نزدیک محبت کے قابل ضرور ہے، پھر محبت کے پاکبازانہ مقاصد بغیر عقد کئے، کسی شریف عورت سے کوئی مرد کیونکر حاصل کر سکتا ہے" ؟!

رشید حقیقت یہ ہے تمہارا عروجِ نظر امکان و سعی کی حد سے بالاتر ہے آپ دیکھتے اس کو ہیں۔ جہاں سے ہمیشہ نظریں تھک کر رہ گئی ہیں

ہو ہو کر لوٹ آئیں۔ کہتے آپ اُس سے ہیں کچھ، جو یا تو سنتا ہی نہیں، یا اگر سنتا ہے تو کم سے کم آپ کی آوازوں کو قابلِ التفات نہیں سمجھتا، اگر ایسی ہی اچھوتی دلکشی کا نام نسائیت ہے کہ جو کبھی میسر ہی نہ آسکے تو یقیناً آپ جیتے اور ہم ہارے نہ کبھی یہ کسی کو نصیب ہوگی اور نہ آپ کے مقرر کردہ معیارِ نسائیت کا کبھی تجزیہ ہوگا ——"

منظر، تم نے خوب کیا جو میرے سکونِ فراغت کے درپے غارت ہوئے، تم نے اچھا کیا جو میرے جذبات کی بے کسی و مایوسی سے تمسخر و استہزا برتا، مجھے تو اس دنیا کے ہر گوشے سے بوئے بیگانگی آتی ہے۔ دوستوں کی اجنبیت سے اگر لطف اندوز نہ ہوتا تو اک نوع کی لذت سے محروم جاتا، خدا کا شکر ہے مجھے تمہارے ہی خوانِ کرم پر دعوۃِ رسوائی عطا ہوئی، شبانہ روز کی یکجائی ایسا قرب و اتحاد۔ اس پر کچھ آپ کی جانب سے ایسی جراحت ریز نمک افشانیاں واللہ میرے زخموں کا منہ نہیں جو اظہارِ شکریہ کر سکیں!"

حقیقت میں، میرے ہم خیال، میرے ہم نوا اگر اس دنیا میں مجھے ڈھونڈے نہ ملیں تو مجھے قطعاً متاسف نہیں ہونا چاہئے۔ میرے ہذیانِ محبت کو اگر جماعتِ انسانی کے بعض خوش مذاق افراد مہمل کہیں تو مجھے ہرگز متالم نہ ہونا چاہئے اس لئے کہ قدرت نے نعمت و بصیرت کے خزائن کو وقفِ عام نہیں کیا ہے، مجھے کب آرزو ہوئی کہ جو کچھ میں کہوں اُس کو آپ لوگ

باوجود سعی و کوشش کے سمجھتے چلے جائیں۔ مجھے ہی اس کی کب تمنا ہے۔ کہ میری لطافتِ حس آپ کی بے بہرہ شانِ تعقل کا طواف کرتی پھرے ہاں چند کہ تم سے اب نزاکتِ ذوق و فہم کی توقع تو قطع ہو چکی ہے مگر میں احبابِ حقیقت کے لئے عجز کا الزام برداشت نہیں کروں گا آپ کے اعتراضات اور تلمیحات کے لایعنی انبار میں سے کچھ بھی نظر انداز نہ کروں گا اور اک اک بات کا جواب دوں گا۔"

آپ کا عنوانِ مزخرفات، نسائیت اور عورت کے فرق و امتیاز کی دریافت ہے، ایسے لوگ جو شاخوں پر سے شاداب پھولوں کو بلا تکلف توڑ لیں اور مٹھیوں میں بھینچ کر سونگھنے کھڑے ہو جائیں، اس کے مقابلے میں، جو شاخ ہی پر پھول کی شادابی و شگفتگی کو دیکھتا ہے اور گھنٹوں اس کے طلسمِ رنگ و بو پر غور کیا کرتا ہے، کیا حق حاصل ہے جو دعوائے خوش مذاقی کریں۔ نازک ترین سوالات کرنے سے آدمی خوش ذوق نہیں بن جاتا۔ اس میں لطافتِ حس ہونی چاہیے۔ تم خود غور کر لو دنیا میں وارثی عمل کے کس قدر نقوش ہیں اور کس کس سے متعلق ہیں، تم نسائیت اور عورت کا فرق دریافت کرتے ہو۔"

مظہرِ انسائیت اک آئینہ ہے کہ جس کو ہم دیکھتے اور لطفِ نظارہ اٹھاتے ہیں مگر اس میں ہمارا عکس مرتسم ہو کر رہ نہیں جاتا۔ بخلاف اس

کے عورت بالکل بلاٹنگ پیپر کے اسلوب پر واقع ہوئی ہے کہ ذرا سے اتصال پر تمام نقوش مادی اُس میں منتقل ہو جاتے ہیں ——— نسائیت، اک ساکن سطح آب ہے مصفا، ہم جس میں عکس پذیر ہو سکتے ہیں مگر دامن تر نہیں ہو سکتے، برعکس اس کے عورت سراسر بارانِ لذت و اتصال ہے کہ آدمی کو تر دامن بنا دیتی ہے ——— !!"

اگر تم اپنے ذہن میں اس نازک سے فرق کو محفوظ کر لو گے تو کبھی پھر تمہارے ذوق کو شبہ سے واسطہ نہ پڑے گا ——— دیکھو،

تم نے اپنی دانست میں میرے ذوق کا یہ کہہ کر مضحکہ اڑایا ہے کہ کسی سنگین ستون، کسی مجسمۂ چوبیں کو ایک رنگین ساڑھی باندھ دی جائے تو میں اس کو پیکرِ نسائیت کہہ دیتا ہوں، مجھے بھی اس سے انکار نہیں بیشک یہ صورت پیکرِ نسائیت ہی کہنے کی سزاوار ہے شکر ہے میں نے کبھی مجسمۂ عورت تو نہیں کہہ دیا ہے پیکرِ سنگیں، مجسمۂ چوبیں اپنے اندر مفاسد مادیت نہیں رکھتے پس لباس کی قطع، کپڑے کی وضع اور رنگ کی نزاکت باقی رہی اگر ریشم اور رنگ کی ترکیب کو میں نے اسٹیچو، پر دیکھ کر پیکرِ نسائیت کہہ دیا تو کیا ظلم کیا۔ لیسا اوقات یہی ملبوس، یہی رنگ، یہی ریشم جب کسی خاص جسم پر دیکھے جاتے ہیں، تو عنوان بدل جاتا ہے، اس کو تزئین اور عورت، عورت اور امارت کہا جائے گا۔ پیکرِ نسائیت نہیں، افسوس پیکرِ نسائیت

کہنے میں جو میرے طہارت ذوق کی رعایت تھی اُس کی تم نے ذرا پروا نہ کی!
برسات کے موسم میں گھنگھور گھٹائیں ہیں اور رنگین تیتریاں باغوں
میں، سبزہ زاروں میں اڑتی پھرتی ہیں، میں قوسِ قزح کے اس نیرنگ کو
اور کرن کی اس جھمک کو اگر رقصِ نسائیت سے تعبیر کرتا ہوں تو تم میرا منہ
کیا تکتے ہو، اپنا سر پیٹو، اپنے ذوقِ محاکات کا ماتم کرو۔ تم نے آج تک
نسائیت کو عورت سے علیحدہ کر کے دیکھنے کی، سمجھنے کی کوشش ہی نہیں
کی، رنگ اور ارتعاش کے اس مجموعے کو رقصِ نسائیت کہنا جس بلاغت
ذوق کا شیوہ ہے افسوس اُس کی تم کو ہوا ہی نہیں لگی ——"
اگر گاڑی کا پیچ و خمِ رفتار، مجھے بھاتا ہے اور میں خرامِ ناز کے
لوچ سے اس کو عبارت کرتا ہوں تو آپ کو اچنبھا کیوں ہے، کاش تمہاری
نظر سے رفتار کی کچھ نزاکتیں گذر لیتیں۔
سیکنڈ کلاس گاڑی کے دروازے میں اک تمثالِ حسن یورپ کو
دیکھا کہ دروازے میں دونوں ہاتھ اُٹھائے کھڑی ہے اور اِدھر اُدھر دیکھ
رہی ہے۔ میں نے لاریب اُس کے حسنِ تماشا ناز کو دیکھا، اپنی ندامت میرے
سر نہ تھوپو وہ تم ہی تھے کہ تم سگرٹ کو سلگاتے، دھواں اڑاتے پھرتے رہے
وہ دیکھ رہی تھی کہ تم حسن کے حضور نمائشِ ملبوس و امارت اور نشرِ ہوس
وانگیزیت کر رہے ہو۔ میں نے اگر اس عدمِ التفات و توجہ کی علتِ غائی

کو پوچھا اور اُس کے وقارِ نسوانی اور استغنائے نسائیت کہا تو کیا غلط کہا؟"

میں نے اس کی آنکھوں کی کیفیت احتراز و استکراہ کو دیکھا یہ محسوس ہوتا تھا کہ وہ تو سخن سرا ہیں اور کہہ رہی ہیں کہ ہم پیمانۂ حور ہیں ہم ساغرِ ملک ہیں اے مادیت پرست تیرے لبِ حلقوم کی تشنگی کہیں اور جا کہ رفع ہوگی، میری عرضِ استغنائے نسائیت کا تو یہ خلاصہ تھا تم نے کیا سمجھا——"

عورت جب گھوڑے پر سوار ہوتی ہے تو پھر وہ عورت نہیں رہتی اُس کی تبدیلیٔ ہیئت ولباس، اُس کی اِس حس کا بھید ہے کہ وہ اس وقت مادیتِ نسوانی سے بیزار و گریزاں ہے، مظہر غور فرماؤ خدا کے لئے سمجھو، عورت جب اپنی خلقت کے مقصدِ مادی سے علیحدہ ہوگئی تو کیا ہوئی۔ آہ وہ وقار رواں ہے ضیا اور برق کی ترکیب اجمل ہے، کوئی شک نہیں وہ ارتعاشِ شعاع ہے نسیم اور نکہت گل کے اتحاد کو شاخسار کی اک جنبشِ بے اختیار ہی کہا جا سکتا ہے نسوانی تخلیق کے سیلابِ لطافت میں یہ عقدہ ہائے یاسمینی ترنم موج و حباب ہی کے سے پاکیزہ عنوانات کے حقدار ہیں——"

مظہر! تم تو شاید یہ چاہتے تھے کہ سنگین ستونوں اور چوبیں مجسموں میں سے کسی عنوان سے بھی عورت پیدا کی جاتی ——تیتری کے عریانی رقص کو لذت مادی قرار دیا جا سکتا——"، ریل کے دروازہ میں عورت کو دیکھا، اُس کے عدم التفات کو کیوں نہ غمزۂ دل طلب ثابت کیا، شملہ ریلوے لائن

کے پیچ و خم میں نسائیت کا ذکر عبث ٹھیرا، آرزو تو یہ تھی کہ محض انجینرنگ
ترقی اور میکانیکل فروغ کو سراہا جاتا ـــــــــ"، صنفِ نازک کے کسی فرد
کو گھوڑے پر سوار دیکھ کر مجھے نسائیت کے بیان کا کیوں موقع ملا ـــــــــ"
حالانکہ مظہر میں نے بارہا کہا ہے کہ نسائیت۔ اور عورت کے فرق کو ہر لمحہ ملحوظ
رکھو مگر تم نے ہمیشہ تنزلِ مادی اور علوء روحانی کی طنابیں ملانی چاہئیں ـــ"
چوبیں مجسموں پر ساڑھی کی زیبائش کو میں نے پیکرِ نسائیت کہا، اچھا تم ہی کہو
کیا ستون سنگین سے تم شادی کر سکتے ہو؟
تیتریوں کے اُڑنے، ناچنے کو رقصِ نسائیت کہا پاکیزگیٔ ذوق کا یہی اقتضا
تھا، مجھے بتاؤ نیرنگِ لون سے مناکحت کر لوگے؟ ریل کے پیچ و خم میں میں نے
نسائیت محسوس کی حقِ محاکات ادا کیا، تم اس کی تردید کر سکتے ہو مجھے اس
خم و پیچ محض سے تعلقِ ازدواج کر کے دکھاؤ؟ جب یہ چیزیں مجبورِ ازدواج
نہیں ہیں تو پیارے دوست! میں حقِ اظہارِ نسائیت سے عہدہ برا ہو گیا!
سیکنڈ کلاس گاڑی کے دروازے میں کسی لڑکی کے تہذیب نظارہ اور
اندازِ تماشا کے لیے اگر میں نے استغنا تے نسائیت کا عنوان تراشا تو آپ
کو غور کرنا چاہیے تھا کہ میں نے اس لڑکی کی کون سی جمیل حس کو اپنے عنوان
کا ماخذ ٹھیرایا، میں نے لڑکی کے دیکھنے کی ادا کو مستقل اک شے فرض کیا
اُس کی حس کی بلندی کو علیحدہ اک جسم دیا۔ اور اُس کے تمام مادیت معمور

اثاثۂ شباب میں سے میں نے صرف اس وقت اس کی اس ادائے سادہ و پاک کو لیا، جس میں حقیقۃً تمہارے اضطرابِ شباب کے مقابلہ میں سچی نسائیت و ملکوتیت پیدا تھی۔ اس لئے میں نے بالکل صحیح طور پر اُس کے دیکھنے کو، اس طرح دیکھنے کو کہ وہ کسی کو بھی نہیں دیکھ رہی تھی، دیکھا۔ دیکھنے والے اُس کے سارے متاعِ حسن و شباب کو دیکھ رہے تھے مگر اس سے غافل تھے کہ یہ لڑکی، حسن کا یہ سب کچھ ہوتے ہوئے ابھی وہ اور کچھ اگر ہے، تو کیا ہے ——— '

عین اُس وقت جب کہ موجودہ سب کچھ سے الگ، وہ کچھ اور تھی، میں نے دیکھا اور وہ اُس کا صرف یہ سادہ و بے لوث دیکھنا تھا ——— کہ جس کو یکسر استغنائے نسائیت ہی کہا جا سکتا ہے اور کچھ نہیں"۔

میں نے شملہ میں مصوری میں اگر کسی لیڈی کو گھوڑے پر سوار دیکھ کر چند مقاماتِ ادبیہ کے تحت میں اُس کو وقارِ رواں، ارتعاشِ شعلۂ جنبشِ شاخسار اور ترنمِ موج کہا۔ ان میں سے کسی میں بھی اگر ادبیت کی گنجائش ہے تو مجھے جھٹلا دو ——— "

اور یہ کیا کہا "نسائیت ہے کیا بلائے بے درماں"؟

ہاں ایسے مرمریں بت جو گدازِ حس سے محروم ہیں۔ ایسے پہلو انسانیت کے جو دھڑکن کے مفہوم سے نا آشنا ہیں۔ ایسی آنکھیں جو نمِ محبت سے

ناواقف ہیں وہ وارفتگانِ زیست کے وظائف کو ہرگز نہیں جان سکتیں، دل کے دکھ جانے کا معاملہ وہ دل نہیں جانتے جو کبھی ٹوٹے نہ ہوں، حیاتِ یاس والم کی کیفیات وہ زندگیاں نہیں سمجھ سکتیں جو تنعم و تعیش سے ملاقہ رکھتی ہیں، نسائیت وہ داروئے غم ہے جس کی تلاش ہیں کائنات کا ذرہ ذرہ بے تابِ جستجو ہے۔

یہاں تک جواب تھا آپ کی تقریر کے اس حصہ کا جس کو محض لطافتِ تخیل کہا جا سکتا ہے اس سے آگے آپ نے معتقداتِ مذہبی سے کام لیا ہے، اور افسوس اس نوع کی سنجیدگی کا احترام میں اپنی خاموشی سے بجا لاؤنگا تاہم اعتقادی جذبہ کو ٹھیس پہنچائے بغیر جس قدر مجھ سے ممکن ہے عرض کرونگا آپ میرے التفاتِ نظر و انجذاب ذوق کا کوئی خاص معیار تسلیم نہیں فرماتے مگر آپ کی تقریر کا ہر جزو میرے افکار و اجتہاد کی اہمیت کو تسلیم کر رہا ہے۔ آپ کہتے ہیں تم نسائیت اور عورت کو مترادف المفہوم قرار دیتے ہو اور کبھی اس کو ملکوتیت کا ہمسر۔ آپ نے مجھے دھوکا دینا چاہا ہے یا خود آپ کو قریبِ التباس نصیب ہوا، میں یہ کہتا ہوں کہ بیشک نسائیت کا بہترین مامن و مسکن عورت کی ذات ہے، اور نسائیت کی نمایش کا اعلیٰ ذریعہ قدرت نے عورت کی تخلیق میں پیدا کیا ہے، لیکن پھر عورت ہی کو نسائیت کا مظہرِ اتم قرار دے دینا جائز نہیں، کبھی میری توصیف، نسائیت کے لئے درجہ ملکوتیت

منجر ہے تو یہ کچھ مبالغہ نہیں ہے۔ اگر نسائیت اس درجہ سے اوپر گذر گئی ہے جب انسانی ملکاتِ روحی توہی ہو جائیں گے، ابن بشر کے لئے یہ مرتبہ دُور نہیں کیسا لغو و بے سروپا اعتراض ہے ـــــ"

پھر یہ کہنا کہ میں کبھی اس کو سراپا لذت کہتا ہوں اور کبھی یکسر نکہت گل یقیناً صحیح ہے۔ وہ لذت ہے بہر نوع چاہے خیال کی ہو چاہے عمل کی وہ نکہت گل ہے۔ بلاشک۔ اُس کی ساخت نزہت طلب بھی ہے اور اسکی حیات عطر بیت پاش بھی۔

آپ مجھے الزام دیتے ہیں کہ میں اُس کے لئے مرد کی آغوش میں گدگدی پیدا کرنا چاہتا ہوں اور کبھی انسانی پیشانیوں سے سجدے کرانا ـــــ"

مظہر اسلمات پر گفتگو کرنے کے لئے مبادیات مسائل کا بیان کرنا ناگزیر ہے ہمسئلہ کو ممکن الفہم بنا کے جب نسائیت کی تشریح کی جائے گی تو عورت مبادئی بحث ٹھیرے گی، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اب بعض کوتاہ اندیش، نسائیت کی ایسی حیثیات کو جو عورت میں پیدا ہیں، مجھ سے منکر اپنی آغوش میں گدگدی محسوس کریں تو میرا اس میں کیا قصور؟ مگر میری تقریر جب اس درجہ سے گذر جاتی ہے تو صرف بندگی اور پرستش کا مفہوم باقی رہ جاتا ہے، اور مجھے اس گذارش سے چنداں شرمندگی نہیں ـــــ"

آپ پوچھتے ہیں دنیا میں کبھی نسائیت اور عورت کا امتزاج خمیر ہوا ہے

اور اگر ہوا ہے تو وہ مسرت ازدواجی سے کیا محروم رہا ہے ———"
بیشک قدرت نے ایسی مخلوق بھی پیدا کی تھی اور پیدا ہے مگر اس کا دائرۂ عمل و اثر ہمیشہ ممتاز و ممیز رہا ہے تم تاریخ کے صفحے پڑھو۔ تم کو ضرور معلوم ہو جائے گا کہ اتنی عورتیں گذری ہیں اور اتنی نسائیت تمثال ہستیاں جلوہ دے گئی ہیں، کبھی افکارِ مادی نسائیت پر غالب نظر نہ آئیں گے۔ عورتیں جذبۂ آزادی سے متاثر گذر گئیں وہ قابلِ ذکر نہیں۔ نسائیت تمثال ہستیاں پرستیدۂ عالم ہو کر رہی ہیں۔ اور دنیا ان کو ابھی تک یاد کرتی ہے، پوجتی ہے، ان کے مجسمے، مورتیاں موجود ہیں ——— اُن کی شادیاں ہوئیں یا نہ ہوئیں یہ افسانہ طلب داستان ہے۔ شادی فقدانِ نسائیت کے لئے لازم نہیں۔ امکان ہے ایسا بھی ہوا ہو۔ مگر نسائیت کی تکمیل عروجِ روحانی کی مقتضی ہے ضرور۔ اس کا فیصلہ سہل نہیں پھر اعتقادی گفتگو شروع ہو جائے گی۔ جو نامناسب ہے ———"

مجھ سے ارشاد ہے، نسائیت کی پرستش کی تبلیغ کئے جا رہے ہو کیا فطرتِ صالحہ کے اور منشائے تخلیقِ نسوانی کے یہ خلاف تو نہیں ہے؟"

مظہرِ فطرتِ صالحہ نہیں چاہتی کہ دنیا کو مجموعۂ لذات بنایا جائے علمِ الٰہی کی تفصیل اپنی ذات کے عرفان سے شروع ہوتی ہے۔ انسان کی اپنی کائنات اک مشتِ خاک۔ اس خمیر میں یہ مفاسد جنم لیں اللہ اللہ کن آلائشوں

میں مبتلا ہونے کی تحریک کو اقتضائے فطرت صالحہ قرار دیتے ہو۔ یہ بوقلموں التباس ہے یہی جگہ تو تدبر اور تفکر کی ہے منشاء تخلیق نسوانی کی اک کہانی تو وہ ہے جس سے جد امجد آج تک متہم ہیں۔ دوسری کہانی تفریق قبائل کی ہے جو دوسرے ہی دور انسانی میں مرتب ہو گئی تھی کوئی اور قصہ باقی ہو تو حضور سنا دیں ——— "

تاہم مظہر انفاسِ قدسی زمین پر موجود ہیں اب بھی حوریں زمین پر جمالِ ظاہری و باطنی سے جلوہ گر ہیں۔ فرشتے انسانوں میں ابھی جنم لیتے ہیں تم خدا کی عظمت کو اپنے عقل کے پیمانے سے کیوں ناپتے ہو سب طرح کے لوگ دنیا میں ہیں تعجب نہ فرمائیے۔

آپ کا خیال ہے شاید اشتراکِ جنس کے اختلافِ عمل سے انسان مشترک ہو جاتا ہے۔ حالانکہ بات یہ نہیں ہے اور اگر آپ خاص اسی مسئلہ پر گفتگو کرنا چاہتے ہیں تو مجھے عذر نہیں پہلے آپ احیاء العلوم کا باب النکاح پڑھ لیجیے ——— "

اب آپ کا یہ اعتراض البتہ دلچسپ ہے "کہ اک نسائیت سے معمور عورت اگر محبت کے قابل ہے، تو پھر محبت کے پاکبازانہ مقاصد بغیر عقد کئے کسی شریف عورت سے کوئی مرد کیسے حاصل کر سکتا ہے ———"

مظہر انسائیت سے محبت، الفت بے مدعا ہے۔ اُس کا مقصد کیا،

رہ الفت کرتا ہے۔ اپنے آپ کو مٹاتا ہے اور نہیں جانتا کہ میرا مقصود کیا ہے۔

کوئی عورت اگر نسائیت سے معمور ہے تو پھر وہ عورت کب ہے وہ تو دیویت کا مجسّمہ ہے اُس سے محبت کا مقصد کیا، پرستش اور پوجا ہے انسان اپنی بیچارگی پیش کرتا ہے۔ نہ کہ مقصدِ محبت قائم کرتا ہے —— پھر پاکبازانہ مقصد۔ عورت اِک چیستاں ہے، ہیں نسائیت کا پرستار ہوں اور دیویت کا پجاری۔ یا عورت سے محبت کرنے والا اور پاکبازانہ مقاصدِ محبت کی تاویلیں بگھارنے والا۔ ذرا مجھے دیکھ کر کچھ کہا ہوتا۔ "تاہم عورت کے احساس اور مرد کی کیفیات کو محو کر دو تو انسان دنیا میں اپنی جنس سے بھی پائیدار محبت کر سکتا ہے اور وہ محبت نہایت پر لطف شاندار اور مستحکم ہوگی ——"

عورت سے جو محبت خون کے رشتے کو ملحوظ رکھ کر کی جاتی یا نفسانی اغراض کی تکمیل کو مدنظر رکھ کر کی جاتی ہے وہ ہمیشہ نا استوار و غیر مستحکم ہوتی ہے، عورت سے محبت وہی شاندار ہے جو ان علائق سے آزاد ہو کر کی جائے، روحانی دنیا میں ایسی محبتوں کی بہت قیمت ہے، اسی خیال کو ٹیگور کی محترم ہمشیرہ نے لکھا ہے۔

پیارے مظہرِ انسانیت کمیاب ہے۔ نایاب نہیں، میرا عروجِ نظر کیوں قابلِ نکوہش ہے۔ یہ نظروں کا تھک کے واپس ہو جانا تو پیشِ

ذوق کا سامان ہے ۔ یہ آواز کا یاسِ ناشنوائی سے مضمحل ہو ہو کر لوٹ آنا تو کاوشِ عمل کا وسیلہ ہے؛

نسائیت اچھوتی دل کشی کا نام ہے ۔ جو میسّر نہیں آسکتی ، ہاں سچ کہتے ہو میں اس کی تعریف کر سکتا ہوں مگر تمہارا انقلابِ ذوق میرے قابو سے باہر ہے اور نہ میرے خیال میں دنیا میں کوئی ایسی قوت ہے جو لذت کو دکھا دے ۔ ترنم کو چکھا دے لطفِ مشاہدہ کو سنا دے ۔ اور سونگھنے کی شے کو مس کرا سکے ــــــــــــ "